باب ششم

معارف کا طرزِ فکر اور اندازِ بیان

① معارف کے مشاہدات و تجربات اور فکر و نظر کا پس منظر

معارف کو ۸۳ سال کی طویل مدت میں مسرت بخش اور جانفزا پُر بہار جھونکوں سے لطف اندوز ہونے کے بیش از بیش مواقع بھی حاصل ہوئے اور خزاں دیدہ چمن کی بربادی کے عینی مشاہدات کا بھی "طوعاً و کرہاً" جائزہ لینا پڑا۔ جو کچھ بھی بھلا یا برا اس نے دیکھا سنا سوچا اور سمجھا بجا طور طیب یا بادلِ ناخواستہ صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیا۔ اہم واقعات و احوال کی نشاندہی، تبصرہ یا رپورٹنگ مختصر یا تفصیلی طور پر جو اس درمیانی مدت میں معرضِ وجود میں آتے پیش کر دیا۔ کبھی مسکرا کر کبھی ہنس کر کبھی بادیدۂ تر کبھی زار و قطار آنسو بہا کر کبھی مسرت و شادمانی کے ساتھ کبھی کراہت و ناگواری کے لہجے میں، کبھی مشفقانہ، واعظانہ اور مبلغانہ انداز میں، کبھی مدرس، معلم اور ماہرِ تعلیم کی حیثیت سے، کبھی مودبانہ و عاجزانہ طور پر، کبھی مخلص و باوقار دوست کی مانند، کبھی مخالفانہ اور معاندانہ انداز میں، کبھی مسند نشینی اور بزم آرائی کی رعنائیوں کے ساتھ، کبھی رزم گاہوں اور ستیزہ گاہوں کے تشدد و خراسان سنج کی حیثیت سے۔

جنگِ عظیم اول کے ہنگامی حالات میں جبکہ فضا بارود کی مہک اور بھبک سے مسموم تھی اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ توپوں کی گھن گرج اور ہیبت ناک شعلوں نے سب سے پہلے اس کی سماعت و بصارت کو متاثر کیا۔ رجزیہ گیت لوری بن کر اس کے کانوں کو متاثر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ہوش و حواس درست ہوئے اور سنِ شعور کو پہنچا تو اس جنگ کے سنگین نتائج کو شدت سے محسوس کرنا پڑا جو اسلام اور مسلمانوں اور ان کی مرکزیت اور اتحاد کی بنا پر اس کے لیے وجہ تسکین بنی ہوئی تھی اور جس کے تحفظ اور سلامتی کے عظیم المرتبت مشن اور خدمت کے لیے اس نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو وقف کر دیا تھا اور جس کے انتشار اور افتراق نے اس کا چین و سکون چھین لیا تھا۔

آغازِ سفر کے وقت معارف کے پاس نہ تو زادِ راہ کی فراوانی تھی اور نہ ایسے انیس و رفیق اور ہمدم و ہمراز ہمسفر حضرات کی لمبی چوڑی تعداد جو موقع بہ موقع اس کے لیے وجہ تسکین ثابت ہوتی۔ پھر بھی محض تائید خداوندی کے بھروسے پر اس نے قدم بہ قدم آگے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہ ہمت و عزیمت کے ساتھ زمین کی پستی و بلندی کو طے کرتا رہا اور تلخ و شیریں تجربات سے لبریز

قارئین کو روشناس کراتا رہا، یہاں تک کہ ایک ایسی طویل مسافت طے کی اور ایک ایسا وسیع حلقۂ احباب بنالیا جو شاید ہی کسی علمی اردو جریدے کو ایک طویل عرصہ تک باوقار انداز میں نصیب ہوا ہو۔ بہرحال یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ اس کے اوقات کو برکت حاصل ہوئی اور اس کی سعی و کوشش کو مقبولیت ملی۔ اتنی محنت و مشقت کے باوجود اس کے قویٰ مضمحل نہیں ہوئے نہ سلامت و لطافت میں فرق پیدا ہوا، نہ دور بینی اور خورد بینی نگاہیں متاثر ہوئیں اور نہ ہی جوانی کے جذبہ و امنگ میں کمی اور فرسودگی واقع ہوئی بلکہ اس کے وجود میں پہلے ہی جیسا صالح خون جاری و ساری ہے اور روشن و تابناک مستقبل کی طرف پر شوق نگاہوں سے رواں دواں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس برکت اور مقبولیت کی کون سی توجیہ اس کے حق میں پیش کی جائے۔ شاید "اس کے بانیوں اور سرپرستوں کا خلوص و ایثار" یا "رمضان المبارک کی برکت اور تعلق" جس ماہ مقدس سے اس کا اجراء ہوا اور جو قرآن کریم کے ابدی اور لازوال فیوض و برکات اور انوار و تجلیات سے معمور ہوتا ہے۔ اگر قرآن مقدس کے انوار کی ایک کرن یا اس کے فیوض کا ایک ذرہ بھی کسی پر پڑ جائے تو اس کے سدا بہار رہنے پر کون سی تعجب کی بات ہے۔

معارف کے شمارہ اول کی ابتدائی تحریروں کو دیکھ کر ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ سید سلیمان ندوی نے بہرحال اس چشمہ صافی و شافی کی کھدائی سے قبل پروردگار عالم سے یہ التجا ضرور کی ہوگی کہ ہم اپنی بے سروسامانی کے باوجود صرف اتنا جانتے ہیں کہ محض تیری رضا کے حصول کے لئے تیری مدد کے سہارے قومی ذریت کے اس کام کی شروعات کرتے ہیں اور ان مقدس ساعات میں شروع کرتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ تاریخ ساز لمحات ہیں بلکہ انسانیت کے حق میں حیات بخش لمحات بھی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان عبدالعزیز نے جب پہلی بار سعودی ایرلائنز کا (جو سعودیہ کی اندرون ملک کی پرواز کی فضائی کمپنی ہے اور شروع میں دہی قائم ہوئی تھی) افتتاح کیا تھا تو غلاف کعبہ ہاتھ میں لیکر یہ دعا مانگی تھی۔ پروردگار عالم! میں ہوائی جہاز کی بابت کچھ بھی نہیں جانتا[2] صرف آپ کی نصرت کا آسرا بھروسہ جانتا ہوں اور آپ ہی کے نام پر اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ چنانچہ لوگ بتاتے ہیں کہ سعودی مملکت کی اس اندرونی فضائی کمپنی کا آج تک کوئی حادثہ نہیں ہوا ہے جو ہوائی پرواز کی تاریخ میں ایک حیرت انگیز بات ہے اور دنیا کا کوئی بھی ترقی یافتہ ملک اس جیسی مثال نہیں

پیش کر سکتا۔ لوگ بتاتے ہیں کہ سلطان عبدالعزیز کی نیک نیتی اور اخلاص یا مقبول ساعت تھی جس وقت ان کی دعاء در اجابت پر مستجاب ہوئی اور یہ خصوصیت ان کی مملکت کے ایک اہم شعبہ کو حاصل ہوئی۔ معارف کا حال بھی تقریباً اسی سے ملتا جلتا ہے۔ جب ایک سلطان کی دعاء میں حرم شریف کی قربت کے اثر سے یہ تاثیر پیدا ہو سکتی ہے تو ایک عالم دین کی دعاء اور عمل میں کیوں نہیں جس نے ملت اسلامیہ کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ وہ چاہتا تو والیان ریاست کے کسی منصب اعلیٰ پر سیم و زر کی جھنکار کے درمیان اور ناز و انداز کی رعنائیوں و دلربائیوں کے ساتھ عیش و آرام سے زندگی گزارتا، دار المصنفین کے سناٹے میں سر مارنے کی اسے کیا ضرورت تھی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اساتذۂ فن میں سے کسی کے تذکرہ میں لکھا ہے "۱۲ برس کی عمر میں مشت خاک کو بزرگوں کے گوشۂ دامن میں باندھا۔ ۳۰ برس کی عمر تک مدرسوں اور خانقاہوں میں جھاڑو دی اور جو دن بہار زندگی کے پھول ہوتے ہیں انھیں بزرگوں کے روضوں پر چڑھا دیا"۔[۳] الفاظ کی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ یہ قیمتی جملے معارف کے معمار اول اور مدیر اول کی شخصیت پر منطبق ہوتے ہیں۔ یعنی انھوں نے بھی جوانی کی عمر سے اپنی مشت خاک کو ابواب دار المصنفین اور اوراق معارف کے گوشۂ دامن سے باندھ دیا۔ کم و بیش ۳۰ برس تک مرقد استاذ کی مجاوری کی اور احاطہ دار المصنفین کی نگہبانی میں گزار دیئے اور جو دن بہار زندگی کے پھول تھے انھیں قومی اہمیت کی اس زیارت گاہ پر چڑھا دیا۔

معارف نے اپنے دور حیات میں وہ سب کچھ دیکھا اور وہ سب کچھ سنا جو ایک طویل العمر تجربہ کار صحافی کو اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں دیکھنے سننے، اس سے عبرت و موعظت حاصل کرنے اور اس کے نیک و بد اثرات کو براہ راست یا بالواسطہ قبول کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً

—— دو عالمگیر جنگوں کی ہولناکیاں اور سفاکیاں، دھاندلیاں اور غیر متوقع تبدیلیاں دیکھیں۔ ابھرتی ہوئی قوموں، شخصیتوں اور تحریکوں کے عروج و زوال اور نشیب و فراز کا بالمشافہ مشاہدہ کیا۔ قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کا زوال دیکھا اور ان کی غلط حکمت عملی سے پیدا شدہ اثرات کا جائزہ لیا۔ ترکوں کو یورپ سے اپنا بوریا بستر سمیٹنے پر مجبور ہوتے دیکھا۔ مسولینی اور ہٹلر کا اقبال اور بد اقبالی دیکھی۔ فاشزم اور نازی ازم کے بڑھتے ہوئے خطرناک اثرات اور پھر ان نظریات کی پسپائی دیکھی۔ ان واقعات اور حادثات کو ملاحظہ کیا جب ہٹلر کی فوجیں بلا خوف و خطر دندناتی ہوئی اور یورپ کے یمین و یسار کو روندتی ہوئی اس طرح بڑھ رہی تھیں جیسے ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہے ہی نہیں

اس روح فرسا دھماکے کو بھی اپنے پردۂ سماعت پر محسوس کیا جب آئنسٹائن نے پریسیڈنٹ روزویلٹ کو $E = mc^2$ کے سربستہ رموز سے آگاہی کا شرف بخشتے ہوئے اس ناخوشگوار طرزِ عمل کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی جو بالآخر ۸ اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما اور ناگاساکی کے خوبصورت اور بارونق شہروں کے لاکھوں معصوم شہریوں کے ساتھ چشم زدن میں جہنم کدہ بنانے کا بہانہ ثابت ہوا اور جس پر پوری دنیا کے امن پسند ششدر اور بے بسی کی تصویر بن گئے، محض تفوق اور حصولِ اقتدار کی خاطر امریکہ کی اس شرمناک من مانی پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ جس کے نتیجے میں جاپان کے بادشاہ ہیرو ہتو کو اتحادی ہائی کمان کے مشرقی بازو کے کمانڈر انچیف جنرل میک آرتھر کے آگے ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہونا پڑا اور جاپان کی سیکڑوں سال کی تاریخ میں پہلی بار وہ منحوس ساعت آئی جب جاپانی عوام کے اس مستحکم روایتی عقیدے کو زبردست ٹھیس پہونچی جس کی رو سے وہ اپنے روایتی شہنشاہ کو قادرِ مطلق اور ذاتِ الٰہی کے اوصاف و کمالات کا پرتو سمجھتے تھے۔ [۲۵]

_____ قوموں اور سلطنتوں کو بنتے اور بگڑتے دیکھا، انھیں اوجِ ثریا پر چڑھتے یا بیخ و بن سے اکھڑتے دیکھا، پرچموں کو سرنگوں ہوتے اور تخت و تاج کے فیصلے ہوتے دیکھا۔ ۱۳ سو برس سے چلی آرہی نام نہاد خلافتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہوتے دیکھا، مسلمانوں کی خود فریبی اور کوتاہ اندیشی کے نتیجے میں اس عظیم مرکزیت کو اس طرح ٹوٹتے اور پامال ہوتے دیکھا کہ اس کے بعد آج تک ۷۵ برس کی طویل مدت میں لاکھ کوششوں کے باوجود نہ تو وہ کسی قدر ایک مرکزی نقطہ پر جمع ہوسکے اور نہ استعماری طاقتوں نے انھیں ازسرِنو کسی متحدہ پلیٹ فارم پر مجتمع ہونے کا موقع دیا۔ مشرقِ وسطیٰ کو سیاسی چپقلش اور ذاتی زور آزمائی کا اکھاڑہ بنتے دیکھا۔ اپنوں اور بیگانوں کی خود غرضیوں کے باعث اور صیہونی و استعماری طاقتوں کی ستمگارانہ مکاری کے سبب ارضِ فلسطین کو خاک و خون میں نہاتے اور تڑپتے دیکھا۔ تنظیمِ آزادیٔ فلسطین کے رضاکاروں اور مجاہدوں کے خون کی ارزانی دیکھی۔ محدود و مجبور نوزائیدہ ریاستِ فلسطین کو امریکہ اور اسرائیل کے رحم و کرم پر جیتے اور مرتے دیکھا۔ یاسر عرفات کی پینترا بازی کو ملاحظہ کیا۔ شاید وہ مصطفیٰ کمال کے اس مشہور قول کے قائل نظر آتے ہیں — اگر تم مجھے ایک قدم جانے کا موقع دیدو تو دو قدم رکھنے کی گنجائش میں خود پیدا کرلوں گا۔ [۲۶] اس عظیم سلطنت کا عروج بھی دیکھا جو کبھی دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت ہوا کرتی تھی اور برطانیۂ عظمیٰ (GREAT BRITAIN) کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ جس کی حدودِ سلطنت اتنی وسیع و عریض تھی کہ اس کی حدود میں سورج کبھی نہیں ڈوبتا تھا اور پھر اس اقبال مند سلطنت کا زوال بھی دیکھا۔ اس طرح دیکھا کہ یہ عظیم سلطنت پوری سے کچھ اس طرح سمٹی اور محدود ہوئی کہ خود اس ملک کے باشندوں کو ان کے

اجالے میں سورج کی واضح کرنوں کو دیکھنا دشوار ہو گیا ۔ لگے قاتبرد یا آزادی الانتظار —— بادشاہی کا خاتمہ اور اشتراکی نظام کو بے دردی کے ساتھ اپنے پنجے گاڑتے دیکھا ۔ جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو کے دلخراش نعرے سنے ۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی ہلاکت بربادی اور محنت کشوں کا دور اقبال مندی دیکھا لیکن ان تمام واقعات اور حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو ۔ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی پھر ایسی کایا پلٹ ہوتی ہوئی دیکھنے کو دیکھی اشتراکی نظام کو بھی سوویت روس سے اپنی بساط سمیٹنی پڑی اور وہ وسیع مملکت جو پوری دنیا کے بڑا حصہ اراضی کی مالک تھی تتر بتر ہو گئی اور اس کے وجود سے بالکل غیر متوقع طور پر کم و بیش دس نوزائیدہ مملکتوں کا ظہور ہوا جن میں سے بیشتر مسلم اکثریتی ممالک ہیں ۔ ایک وقت تھا کہ بالشویک تحریک روسی مسلمانوں کی مدد سے برسر اقتدار آئی تھی لیکن حصول اقتدار کے بعد مسلمانوں سے کئے ہوئے وعدوں سے اس طرح پھر گئی اور اپنے ہی ملک میں مسلمانوں پر اس طرح عرصہ حیات تنگ کر دیا جو بیان سے باہر ہے لیکن انقلاب زمانہ کو کیا کہئے کہ ستر برس پورے بھی نہ ہونے پائے کہ یہ عظیم سلطنت اپنے مظالم اور بدکرداریوں کے نتیجے میں اور غلط سیاست کی پیچیدگیوں میں پھنس کر اس طرح بے دست و پا ہو گئی کہ ایک بار پھر حق بحق دار رسیدہ کے مصداق مسلمانوں کو آزاد فضاؤں میں سانس لینے کا موقع نصیب ہو گیا —— جرمنی کے توسیع پسندانہ عزائم کی جھلکیاں بھی دیکھیں اور اس کو سیاسی شکنجے میں پھنستے ٹوٹتے اور تباہ حال ہوتے دیکھا، دیوار برلن کو تعمیر ہوتے، اس میں شگاف پڑتے اور بالآخر اس کو خود جرمنوں کے ہاتھوں مسمار ہوتے دیکھا اور پھر ایک طاقتور جرمنی کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے سابقہ طمطراق کی بازیابی کی ساعت سعید بھی دیکھی ۔ اسی طرح جاپانی قوم کو قہر خداوندی کی مانند دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلط ہوتے اور اپنی من مانیاں کرتے دیکھا، پھر اس کو بری طرح مجروح ہوتے ٹوٹتے اور سسکتے دیکھا ۔ پھر اس کے جفاکشوں اور ماہرین فن کی غیر معمولی محنت اور فنکارانہ صلاحیت کے نتیجے میں اس کی مصنوعات کو دنیا کے بازار میں اپنی دھاک جماتے اور مقبولیت حاصل کرتے دیکھا ۔ اس ناقابل تردید حقیقت کا جائزہ لینے پر بھی مجبور ہونا پڑا کہ ایٹمی دھماکے سے متاثر ہونے کے کم و بیش پچاس برس کے اندر جاپانی قوم نہ صرف یہ کہ تازہ دم حوصلہ مند قوم کی طرح بساط سیاست پر ابھر کر آ گئی بلکہ عظیم فاتح قوموں سے برابری کے ساتھ آنکھیں ملا کر بات کرنے کی صلاحیت پیدا کر لی ۔ ٹیکنیکل ترقی میں مشرق ایشیا میں اول مقام حاصل کر لیا بلکہ سائنسی اور فنی ترقی کے لحاظ سے دنیا کے چند اہم ممالک میں اس کا شمار ہونے لگا اور اپنی معیشت کو اتنا زیادہ مستحکم کر لیا کہ جنگی

تاوان کی ایک مدت کی ادائگی کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں قرضے دینے پر قدرت حاصل کرلی بلکہ امریکہ جیسے دولت مند ملک کو بھی اپنا مقروض اور ممنون بنا لیا۔ دنیا کے عظیم ترین قطعہ اراضی برصغیر کی قسمت کو بنتے اور بگڑتے دیکھا۔ برما کا اخراج، پنجاب اور بنگال کی تقسیم، سقوط حیدرآباد، ریاستوں کا انضمام ہونا اور مشرقی پاکستان کا صفحۂ وجود سے مٹنا، آزاد کشمیر اور بنگلہ دیش کا قیام اور تقسیم وغیرہ کچھ ایسے دور رس اثرات کے حامل عوامل تھے جن سے متاثر ہونا اپنی حماقت کے بعد کوئی تعجب کی بات نہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک سے شہنشاہیت کا خاتمہ اور جمہوریت کی بحالی کے مظاہرے دیکھے۔ مصر کے شاہ فاروق، عراق کے امیر فیصل، لیبیا کے شاہ ادریس اور ایران کے شہنشاہ آریہ مہر رضا شاہ پہلوی کو تخت و تاج سے محروم ہوتے دیکھا۔ ملکہ ثریا کی محرومی، ملکہ فراح دیبا کا انجام اور ملکہ الزبتھ دوم کی تاج پوشی دیکھی۔ کرنل ناصر، کرنل قذافی، یاسر عرفات اور آیت اللہ روح اللہ خمینی کو ابھرتے اور مقبولیت حاصل کرتے دیکھا۔ بغداد کی بے مثال تباہی کے باوجود اس کا غیر معمولی استحکام دیکھنے کو ملا۔ صدام حسین کی آمریت کے باوجود عوام و خواص کے دلوں میں اس کی بے مثال مقبولیت و ہردلعزیزی کے مظاہرے دیکھے۔

—— افراد اور شخصیتوں کا سلسلہ اور متواتر آواگون دیکھا۔ چرچل، اٹیلی، مصطفیٰ کمال پاشا، مسولینی، لینن، اسٹالن، خروشچیف، گوربا چوف، یلسن، کینیڈی، جانسن، جارج بش، بل کلنٹن، لارڈ ماؤنٹ بیٹن، راج گوپال اچاریہ، مہاتما گاندھی، [illegible]، اینی بیسنٹ، سروجنی نائیڈو، سردار پٹیل، قائد اعظم محمد علی جناح، جنرل ایوب خان، جنرل ضیاء الحق، ذوالفقار علی بھٹو، شیخ مجیب الرحمن، جنرل ضیاء الرحمن، جنرل ارشاد، تنکو عبدالرحمن، مہاتیر محمد، ماؤزے تنگ، چو این لائی، لی پھنگ، سوکارنو، سوہارتو، پنڈت جواہر لال نہرو، صاحبزادہ لیاقت علی، اندرا گاندھی، راجیو گاندھی، بے نظیر، حسینہ واجد، اٹل بہاری واجپئی، نواز شریف، ہیلمٹ کول، ٹونی بلیئر، ڈیگال، وغیرہ وغیرہ نہ معلوم کتنے چاند ستاروں کو ابھرتے اور ڈوبتے دیکھا۔

—— سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریکات کو ابھرتے اور اپنے موقف کو منواتے دیکھا۔ وفود کی آمد اور صفوف کی تشکیل آرائی دیکھی۔ سیاسی مطالبات کو پورے ہوتے دیکھا۔ سیاسی افق پر بے شمار چھوٹے بڑے ستاروں اور سیاروں کو جھلملاتے اور گردش کرتے دیکھا۔ سیاسی پارٹیوں کے عروج و زوال اور نظم و ضبط کی مختلف ترتیبوں کے مظاہرے دیکھے۔ معاہدوں اور سمجھوتوں پر دستخط ہوتے دیکھا۔ آفات و بلیات، حادثات اور واقعات کے بے شمار مظاہر نگاہوں کے سامنے آئے۔ مسائل اور معاملات سے نپٹنے کی نوبت آئی۔ مشاہیر علماء، فضلاء، مشائخ، اہل قلم، سیاسی رہنماؤں، قومی خدمت گاروں اور سائنس دانوں وغیرہ کی موت پر سوگوار رہنے اور ماتم کرنے کا موقع ملا۔

———— وہ منظر دیکھا جب اپنی کوٹھی میں نظر بندی کے دوران سخت پہرے کے باوجود برٹش پولس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر چھلاوے کی مانند نیتاجی سبھاش چندر بوس کلکتہ سے پشاور پہونچے ۔ برٹش خفیہ پولس کی لاکھ جستجو کے باوجود تقریباً تین ہزار کیلومیٹر کے اس طویل دشوار گزار راستے میں پتہ نہیں چل سکا کہ انھیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا ۔ کلکتہ سے درۂ خیبر تک اور وہاں سے افغانستان کے راستے جرمنی تک کا یہ سفر تاریخ سرفروشی کی عجیب داستان ہے جس میں نیتاجی کے مسلمان دوستوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے ۔ ہٹلر سے ملاقات کے وقت نیتاجی کو صرف دو منٹ کا وقت ملا تھا لیکن اس جاذب نظر محب قوم نے صرف ایک منٹ کے اندر اتنے بڑے کوہ گراں کو سر کر لیا ۔ ہٹلر نے چھوٹتے ہی پوچھا "کیا آپ ہماری پالیسی سے متفق ہیں ؟" اس مرد حقیقت پسند نے برملا جواب دیا "قطعاً نہیں" اس پر ہٹلر نے نہایت ناگواری کے ساتھ کہا "تو پھر ہمارے پاس کیا لینے آئے ہیں ؟" اس پر نیتاجی نے وہ مشہور تاریخی جملہ کہا "دراصل میرے دشمن کا دشمن میرا دوست ہے ۔"
(Actually, my enemies enemy is my friend)
اس پُر حکمت پُر معنی جملے نے ہٹلر جیسے اوگھڑ اور سخت گیر کو چشم زدن میں نہ صرف یہ کہ موم کر دیا بلکہ اپنے تئیں نرمی و ملاطفت کا معاملہ کرنے اور اپنے مطالبات پورے کرنے پر مجبور کر دیا ۔ اس کے بعد 'آزاد ہند فوج' کی تنظیم و تشکیل اور وطن کی آزادی کے حصول کی خاطر عسکری جدوجہد کا ایک تاریخی دور چلا یہاں تک کہ مجمع الجزائر انڈمان نکوبار کی راجدھانی پورٹ بلیر کے جیل خانہ گراؤنڈ سے غیر منقسم ہندوستان کی آزادی کا جھنڈا نیتاجی سبھاش چندر بوس نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۳ کو بلند کیا اور اس موقع پر ایک پر اثر جذباتی تقریر کی ۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر سبھاش چندر بوس ہوائی حادثہ کا شکار نہ ہوتے تو بھارت کی تاریخ کچھ اور ہوتی ۔

———— وہ ہولناک منظر بھی سامنے آیا جب باوجودیکہ ناگاساکی اور ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم کا آدھا اثر سمندر پر رہا جس کی وجہ سے اس کی تباہ کاری کا آدھا اثر زائل ہو گیا پھر بھی اس کی چپیٹ میں جو آبادیاں آئیں ان کی تباہ کاری کا نظارہ عبرتناک بن گیا ۔ جس امریکی پائلٹ کلاڈ اتھرلی نے یہ بم گرایا تھا وہ خود اس تباہ کاری کو دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا ۔ اس بم کا موجد جولیس رابرٹ اوپن ہائیمر خود اس کے تجربے کے دوران اتنا زیادہ خائف ہوا کہ بم بنانے کا ہی سخت مخالف ہو گیا ۔ یہی وجہ ہے کہ بم حاصل کرنے پر فخر محسوس کرنے والے امریکہ نے نہ صرف اسے طرح طرح کی ایذائیں دیں بلکہ ملک دشمن تک قرار دیا ۔ اس کی تضحیک کرنے کے لئے اس سے بار بار یہی پوچھا جاتا رہا کہ وہ بم بنانے پر فخر کیوں نہیں محسوس کرتا ۔ جب اسے سینیٹ کمیٹی

کے سامنے کٹہرے میں کھڑا کرکے یہ سوال پوچھا گیا کہ اس بم کو بنانے کے بعد وہ کیسا محسوس کرتا ہے تو اس نے جواب دیا " میں ہی موت ہوں ، پوری کائنات کو تباہ کرنے والا ' ہاں ایک ایسی موت جس کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہتا ہے ۔ ۹ سائنس دانوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں زبردست فضائی آلودگی کا بھی مشاہدہ کیا ۔ ایک عرصہ تک وہاں سیاہ بادل چھائے رہے اور دھول اور کاربن کی بارش ہوتی رہی ۔ ۱۰ ناگاساکی انسٹی ٹیوٹ آف اپلائیڈ سائنس کی ایک رپورٹ کے مطابق 12.5 کلوٹن کے بم نے ایک لمحہ میں ستر ہزار لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا ۔ اس سے جو چار ہزار سینٹی گریڈ کی شدت پیدا ہوئی اس نے ہر چیز کو جھلسا دیا ۔ واضح رہے کہ لوہا ڈیڑھ ہزار سینٹی گریڈ کی حرارت پر پگھل جاتا ہے ۔ اس کی تابکاری سے جو خطرناک بیماریاں پھیلیں ان کا زور بتدریج کم ہونے کے باوجود آج تک قائم ہے ۔ ایک مدت گزر جانے کے بعد بھی وہاں کے لوگوں میں جلدی کینسر عام ہے ۔ جو لوگ آج بھی نیوکلیائی تجربات پر خوشیاں منا رہے ہیں اور تباہی کے شعلوں پر اپنے مفادات کی روٹیاں سینک رہے ہیں کیا ان کے لئے یہ باتیں عبرت ناک نہیں ؟

—— ۱۹۱۲ کا تاریخی اہمیت کا 'دہلی دربار' تو اسے دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا جو برطانیہ عظمیٰ کے اس وقت کے تاجدار جارج پنجم کی ہندوستان آمد کے موقع پر لال قلعہ کے دیوان عام میں منعقد کیا گیا تھا اور جس میں والیان ریاست کے حسین و نوخیز شہزادے اور ہندوستان کی اہم ترین ہستیاں والہانہ اور جاں نثارانہ جذبات کے تحت شہنشاہ ہفت اقلیم کے حضور میں پلکیں بچھائے دم بخود کھڑے نظر آتے تھے البتہ ۱۹۲۱ میں پرنس آف ویلز کی آمد کا وہ زمانہ ضرور دیکھا جب شہزادے کی حیثیت سے وہ ہندوستان آئے تھے اور تحریک ترک موالات کے وجہ سے ان کے مقاطعہ کی بنا پر فوج اور پولس کے پہرہ میں وہ مختلف شہروں کا دورہ کر رہے تھے ۔ بعد میں وہ ایڈورڈ ہشتم کے نام سے انگلستان کے تخت پر بیٹھے لیکن ایک مطلقہ عورت مسز سیمسن کے معاشقے کے چکر میں پھنس کر جن کا شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا انگلینڈ کے تخت و تاج کو چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ پیرس چلے گئے جہاں ڈیوک آف ونڈسر کے نام سے آخر وقت تک زندگی بسر کرتے رہے ۔ اور پھر وہ زمانہ بھی دیکھا جب انگلینڈ کے روایتی قوانین میں تبدیلیاں کی گئیں ، یہاں تک کہ شاہی خاندان کے افراد کو اس بات کی آزادی نصیب ہوئی کہ وہ اپنی پسند کے مطابق عوام و خواص کے دائرے میں جہاں کہیں بھی چاہیں شادی کر سکتے ہیں چنانچہ ملکہ الزبیتھ دوم کے بیٹے بیٹیوں نے جتنی بھی شادیاں کیں

زیادہ تر عوامی خاندانوں کے غیر معروف لڑکے لڑکیوں کے ساتھ لیکن ان ہی جمہوریت پسندوں کے روبرو ولی عہد سلطنت پرنس چارلس کی نوجوان مطلقہ بیوی لیڈی ڈائنا کے ساتھ جب ایک مصری نوجوان کے معاشقہ کی روداد منظر عام پر آئی تو شاہی خاندان کے کٹر روایت پسندوں نے پوشیدہ طور پر اس کی سخت مخالفت کی اور پھر جو کچھ پیش آیا اس پر اپنے ملک کے عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر مصر کا کٹر برطانیہ نواز حسنی مبارک بھی چیخ پڑا۔

سلطنت عثمانیہ کے عروج کا زمانہ بھی دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا البتہ ایوان قسطنطنیہ و استنبول میں شمع خلافت کی دم توڑتی ہوئی جھلک اور پھر اس کے ملاحظہ کرنے کا موقع ضرور ملا اور خلافت کے خاتمے کے برسہا برس بعد تک برصغیر کی مسجدوں میں جمعہ کے خطبوں میں "سلطان استنبول خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ" کے نام کے دعائیہ کلمات سننے کا موقع ملتا رہا جس سے خلافت کے مسئلہ پر برصغیر کے مسلمانوں کی شیفتگی اور وابستگی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ ترکی کی اس حال زار کو بھی ملاحظہ کرنے کا موقع ملا جس کو یورپ کے دانشوروں نے "یورپ کے مرد بیمار" (THE SICK MAN OF EUROPE) سے تعبیر کیا تھا اور اس عظیم پائیدار سلطنت کے شیرازوں کو بکھرتے اور پارہ پارہ ہوتے دیکھا۔ حالت یہ ہوگئی کہ نہایت قلیل عرصہ میں اس سلطنت کے ایشیائی افریقی و یورپی مقبوضات ایک ایک کرکے اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور بہ مشکل تمام اپنے آبائی و موروثی وطن "ترکی" میں محدود ہونا پڑا اور محدود بھی اس طرح کہ دفاعی نقطۂ نظر سے اس کے اہم ترین اور حساس ترین مقامات اور تنصیبات پر دشمنوں کی حریفانہ نگاہیں پڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ درۂ دانیال کے اہم آبی شاہراہ کو ہڑپنے کی تیاریاں ہونے لگیں جو ترکی کے حق میں موت و زیست کی حیثیت رکھتا تھا اور پھر اس تاریخی جملہ کی بازگشت سنی گئی جو ایک اہم سیاسی شکست کے موقع پر عظیم طاقتوں کے شدید دباؤ کے ماحول پر عصمت انونو کی زبان سے بیساختہ جرأت مندانہ انداز میں نکل گیا تھا "درہ دانیال تو مل سکتا ہے لیکن میں اس کی چابی ترک سپاہی کی جیب میں چھوڑ آیا ہوں" طلہ معارف کو خلافت اسلامیہ کی بے بسی اور پامالی اور اتاترک کی من مانی اور بد دماغی کے ناپسندیدہ مناظر کو سمجھنے کے مواقع ملے۔ تحریک خلافت کا بھرپور ساتھ دینے اور اس کے حق میں ہر ممکن جتن کرنے کے باوجود ناکامیوں اور محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے خلافت کی بازیابی اور از سر نو بحالی کے لئے رائے عامہ کو بحال اور استوار کرنے کے لئے اپنے خون جگر کا ایک ایک قطرہ نچوڑ دیا اور ملت اسلامیہ پر جاں نثاری کی بہترین مثال پیش کی لیکن جو بات ایک بار بگڑ چکی تھی وہ پھر بن نہ سکی اس لئے کہ: تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

خلافت اور خلیفہ اور عالم اسلام کی مرکزیت و اتحاد بے معنی الفاظ اور ترکیبوں پر مشتمل ایک دردناک اور بھولی بسری کہانی بن گئی ۔ معارف کے سینکڑوں پرانے اوراق میں حریت پسندوں کے خون کی سرخی کو اور آنسوؤں کی نمی کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے ۔ یہاں تک کہ بوسنیا ہرزیگوینا اور کوسووا کے المیوں نے ایک بار پھر کچھ اوراق کو آنسوؤں کی نمی بخش دی ۔ ایک بار پھر جزیرہ نما بلقان کی سرزمین سے جو کبھی سلطنت عثمانیہ کے مقبوضات میں شامل تھا توپ کے انگاروں، دھوؤں کے مرغولوں اور بارود کی مہک کے ساتھ آنسوؤں کی جھڑی برسا دی ۔

—— اس نے عراق میں ہونے والے متعدد خونی انقلابات کا جائزہ لیا ۔ عراق کے سیاسی اتار چڑھاؤ اور نظریاتی تبدیلیوں کا اس وقت سے جائزہ لیا جب علامہ اقبال نے فرمایا تھا :

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا   تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

اس نے عبدالکریم قاسم کا خونی انقلاب دیکھا ، یہاں تک کہ مختلف تبدیلیوں اور انقلابات کے بعد صدام حسین کا دور اقتدار دیکھا اور اس دور اقتدار کو بھی دو حصوں میں بانٹ کر سمجھنے کا موقع ملا ۔ پہلا حصہ وہ جب آج کی طرح عالمگیر شہرت کا مالک نہ تھا ، اپنے ملک کی برسر اقتدار بعث پارٹی کا لیڈر اور حکمران جس کو بظاہر اسلام سے کوئی خاص واسطہ نہیں تھا ۔ اس دور میں وہ ایک طویل عرصہ تک ایران سے لڑتا رہا لیکن عام طور پر لوگ یہ نہ جان سکے کہ صدام حسین کون شخص ہے ۔ پھر اس نے اپنا چولا بدلا اور ذرائع ابلاغ کی مدد سے اللہ اور رسول کے نام پر عالم اسلام کو للکارا ۔ صاحبان نظر نے محسوس کیا کہ اس عظیم تبدیلی کے بعد اگر حالات اس کے حق میں نہیں تو اس کے خلاف بھی نہیں گئے ۔ حالانکہ اس کے دشمنوں نے اپنے تمام سیاسی و عسکری حربوں کو استعمال کر لیا ۔ اور اس کے خلاف ناطقہ بندی اور محاصرہ کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ حالانکہ دنیا کی تاریخ میں مشکل ہی سے کوئی ایسی مثال ملتی ہے جب کسی ایسے حکمران یا کمانڈر انچیف کو اس کی قوم نے اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا ہو جس نے نہ صرف یہ کہ شکست خوردگی کا مظاہرہ کیا ہو بلکہ اپنی قوم کو ہلاکت و بربادی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہو ۔ اس کی غیر معمولی مقبولیت کی بنیادی وجہ اسلام پسندی اور مجاہدانہ عزم کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے جو اس کے کسی اقبال مند معاصر حکمران کو بھی مشکل ہی سے حاصل ہے ۔ اس نے مشرق وسطیٰ میں بیداری کی لہر پھونک دی ۔ سخت کوشی ، اسلامی سادگی ، ایمانداری اور جہاد پسندی کے رجحانات کو بڑھاوا دیا ۔ اپنی محدود مملکت میں ہر نوجوان لڑکا لڑکی کے لئے فوجی تربیت لازمی قرار دیکر اور بڑی سے بڑی طاقت

کے آگے گھٹنے نہ ٹیک کر جرائت و سرفروشی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ۔ اس نے ایک طرف ذرائع و وسائل کی انتہائی کمی کے باوجود اتنی خوبی سے مارکیٹ کو کنٹرول کیا کہ ایک ادنیٰ پیاز کی قیمت بڑھانے کی بھی کسی تاجر کو ہمت نہیں ہو سکی اور نہ مقررہ کوٹے سے زیادہ کسی گاہک کو لینے کی ۔ نام نہاد اشتراکی نظام بھی اس طرح کی منظم اور مستحکم مثال پیش کرنے سے قاصر ہے بلکہ دنیا کے ماہرین اقتصادیات و معاشیات اپنے لامحدود ذرائع و وسائل کے باوجود اس طرح کا نظام قائم کرنے کے معاملے میں خود کو بے بس پاتے ہیں ۔ [12] ایک طویل عرصے سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طرف سے عراق پر ہونے والی مسلسل بمباری کے نتیجے میں پیش آمدہ تباہ کاریوں کے لیے تعمیرات اور تنصیبات کی فوری بازکاری ایک اہم اور خرچ طلب مسئلہ ہے جس کو نہایت خوبصورتی، کمال استقلال اور باوقار انداز میں حل کرنے والی شخصیت دور حاضر میں صدام حسین کے علاوہ دوسری نظر نہیں آتی ۔

اب تک کے سطور میں ہم نے معارف اور اس کے معاصرین کے ان مشاہدات اور تجربات کی محض چند جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن سے صحافت کی دنیا میں ہر جریدے کو حسب مقدور اپنے اپنے ظرف اور عمر کے مطابق نہ صرف یہ کہ سابقہ اور واسطہ پڑتا ہے بلکہ اس کے خدوخال اور خطوط و نقوش اس کے طرز فکر اور انداز بیان کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں ۔ اوقات کی ان ہی تبدیلیوں اور حرکات کی ان ہی جنبشوں سے اس کے فکر و نظر کو جلا ملتی ہے اور تاثرات و احساسات کے مواد دستیاب ہوتے ہیں ۔ یہ وہ خارجی عوامل ہیں جو کسی بھی کیمیاوی یا تاثراتی عمل کو تیز کرنے کے لیے CATALYST کا کام کرتے ہیں ۔ اگر ان سے دوچار نہ ہونا پڑے تو زندگی کی عبارت آرائی اور شخصیت کی تشکیل کا کام کیوں کر مکمل ہو ۔ زندگی کی تصویر میں کون رنگ بھرے بلکہ رنگوں کے انتخاب و امتزاج کی فنکاری کون سکھائے ۔ کس کی قربت اور وابستگی کو حاصل زندگی سمجھا جائے اور کس سے گریز و اجتناب کی روش کو زندگی کا نصب العین بنا لیا جائے، یہ رموز کون بتائے اور سمجھائے ۔ آخر فنکار کے فن میں انھیں باتوں سے تو جان پیدا ہوتی ہے جو افراد و اقوام کے حق میں صور اسرافیل کا کام کرتی ہیں ۔ ایک ایسا نادر و نایاب STRUCTURE کھڑا کر دیتی ہیں جو کسی قد آور تحریک یا تنظیم کا عنوان بن جاتا ہے، اس کے خون کی روانی اس کے احساس کی جولانی بن جاتا ہے، اس کی تڑپ اس کی تمنا بن جاتا ہے، اس کا سرمایہ حیات اس کی زندگی بھر کی پونجی اور کمائی بن جاتی ہے،

اس کا قلب صمیم اس کا لطف عمیم بن جاتا ہے، اس کی زندگی کی تب و تاب اس کی روح رواں بن جاتا ہے۔ یہ وہ عوامل ہیں جنھوں نے علمی ادبی اور صحافتی دنیا میں معارف کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ رونے بلکنے تڑپنے اور آہیں بھرنے پر مجبور کیا، مسکرانے ہنسنے خوشیاں منانے اور پُرامید رہنے کے امکانات روشن کئے، مسائل کو سلجھانے اور معاملات کو درست کرنے کے مواقع عطا کئے۔ مظلوموں کی دادرسی کرنے، مجبوروں کی آواز بلند کرنے، حق دار کو اس کا حق دلانے اور مخلوق خدا کے حق میں نقارۂ خدا بننے کی توفیق عطا کی۔ اسلام اور شارع اسلام سے اپنی قربت اور جاں نثاری کے ثبوت پیش کرنے، مخالفین اسلام اور معاندین شارع اسلام کی ناپاک سازشوں کا قلع قمع کرنے، حق کی حمایت میں جینے اور حق پرستوں کی محبت میں مرنے کا جذبہ ودیعت کیا۔

حالات کے یہی اتار چڑھاؤ اور زمانہ کے یہی نشیب و فراز تو ہیں جو حرکات و سکنات کو متعین کرنے اور صحیح سمت کی طرف پیش قدمی کرنے کا حوصلہ اور STAMINA فراہم کرتے ہیں۔ قوت مدافعت بخشتے اور مجاہدانہ اقدام کی توفیق عنایت کرتے ہیں۔ یہ وہ اسباب اور سازوسامان ہیں جو سوانحیات کے جزو لاینفک ہیں۔ جن سے ہوشیار بیدار اور محتاط رہنے کا سبق ملتا ہے، اپنے بیگانے، مخلص و غیر مخلص کی شناخت ہوتی ہے، غرض مندی اور بے غرضی کا فرق سمجھ میں آتا ہے، سطحی انداز سے معیاری انداز کی طرف پیش رفت کے لئے رہنمائی حاصل ہوتی ہے، نگاہ میں ٹھہراؤ اور باریک بینی پیدا ہوتی ہے، فکر و نظر میں نکھار اور پاکیزگی نصیب ہوتی ہے۔ نتیجے کے طور پر مستحکم فکر و نظر، مثبت اسلوب بیان اور مستقیم الاحوال شخصیت کا مالک بن کر صفحۂ ہستی پر ابھرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ اور دراصل یہی سب کچھ معارف کی اس عملی زندگی (PRACTICAL LIFE)

کے خدوخال کو نمایاں کرتے ہیں جن سے اس کو ۳۸ برس کے اندر دوچار ہونا پڑا۔

۱؎ پاکستان سے دیارِ حرم تک — نسیم حجازی ص

۲؎ واقعہ یہ ہے کہ یہ تجربہ بدقسمتی وقت کی ایک لہر نے گلہ بان سے سلطان بنا دیا تھا ہوائی جہاز جیسی اعلیٰ ٹکنیک کے رموز کی بابت قطعی طور پر لاعلم تھے۔

۳؎ آبِ حیات — مولانا محمد حسین آزاد

۴؎ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے — ضیا نجمی ص ۲۰۵

۵؎ ترکی کی تعمیرِ نو — فدا حسین ص 110

۶؎ لندن میں چمکتی چمچماتی دھوپ کے لئے ترستے ہوئے شاہدین کے حق میں ایک عظیم نعمت ثابت ہوتی ہے

۷؎ انقلابِ روس اور مسلمان — ڈاکٹر نجم الحسن ص ۳۳

۸؎ نیتاجی سبھاش چندر بوس — ڈاکٹر سی آر بنرجی ص ۱۲۵

+ معارف سبھاش چندر بوس کی بے مثال حب الوطنی اور کارناموں سے متفق ہے اور ان کی موت پر بڑے خوبصورت لفظوں میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتا ہے۔

۹؎ یہ بھگوت گیتا کے ایک اشلوک کا حوالہ دیا گیا تھا جس میں کہا گیا ہے "میں ہی موت (۱۱/۳۴) ہوں"

۱۰؎ مذکورہ واقعات اور حقائق پر مشتمل فلمیں بن چکی ہیں جن کی دید و شنید تحقیقی نقطۂ نظر سے فائدہ مند ہے

۱۱؎ ترکی کی تعمیرِ نو — فدا حسین ص ۲۰۰

۱۲؎ مشرقِ وسطیٰ اور مسلمان — ڈاکٹر کمال الدین ص ۸۵

② معارف کا موقف و مقصود اور کارہائے نمایاں

زیر نظر صفحات میں ہم معارف کے نظری یا THEORATICAL موقف کی وضاحت کریں گے اور اس کے مشتملات کا جائزہ پیش کریں گے جو اشاعتی و صحافتی حیثیت سے اسے مقبول و ممتاز کرنے والا دوسرا طاقت ور FACTOR ہے ۔ یوں تو دونوں ہی عوامل لازم و ملزوم ہیں لیکن جس عظیم ذخیرۂ علمی و ادبی نے اسے علم و فن کی معراج عطا کی اور اس فن میں اس کو اس کے منتہائے مقصود تک رسائی کرائی نیز دانشوروں اور نکتہ شناسوں کی مجالس میں سرخروئی و سرفرازی بخشی اور قومی ورثہ کے طور پر آئندہ نسلوں کی ذہنی و نظریاتی تربیت کے لئے ایک متاع گراں مایہ کی صورت میں امانتاً حوالہ کیا وہ بھی دل آویز اور دیدہ زیب نگارشات ہیں ۔ ان اوراق میں اس کے جزویات و فروعات کو تحقیق کی کسوٹی پر رگڑنا اور پرکھنا بھی ضروری ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز قائم ہو سکے اور علم و ادب کے خالص مادّہ سے کثیف اور ناقص ذرات کو الگ کیا جا سکے ۔ معارف کے علمی و ادبی ذخائر دراصل اس موقر جریدے سے منسلک وہ داخلی عوامل و محرکات ہیں جن کے نظم و ترتیب سے اس کا وجود تشکیل پاتا ہے اور اس کے کاغذی پیکر کی شیرازہ بندی ہوتی ہے ۔ معارف کے انہیں مجموعوں یا مجموعہ اعمال سے اس کے طرز فکر اور انداز بیان کا تعین ہوتا ہے ۔ بقول غالب نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا + کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
اس قابل قدر ذخیرہ نے اردو زبان کے علم و ادب میں ایک ایسے صحت مند ماحول کی تشکیل کا فریضہ ادا کیا جس نے ارباب ذوق کو بے حد متاثر کیا ، علم کے پیاسوں کی پیاس بجھائی ، فن کے قدردانوں کی رہنمائی کی اور ادب شناسوں کی خدمت میں لعل و گہر کے نذرانے پیش کئے ۔ نتیجے کے طور پر ارباب بصیرت نے اس کے جملہ اوضاع و اطوار کو دل سے پسند کیا ، ادب و آداب کی سادگی و سنجیدگی کی سراہنا کی ، لطافت مزاج اور سلامتی طبع کی جدت و ندرت کو قبول کیا ۔ کسی بھی دور میں کسی بھی صاحب فن کو خلاف وضع اور بے اسلوب طور طریقوں کو دیکھنے کی نوبت نہ آسکی ۔ کسی ناقد کو نہ تو غیر ضروری طور پر نقد و استدراک لکھنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی اور نہ ضروری انگشت نمائی اور خامہ فرسائی کی ضرورت پڑی ۔

• ۸۳ سال کی مدت میں کم و بیش ایک ہزار شماروں (مکمل تعداد ۹۹۶) کی ترتیب و تزئین کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور اس خوبی اور عمدگی سے انجام دیا کہ ایک شمارہ کی اشاعت میں بھی رکاوٹ نہ پیدا ہو سکی جبکہ زمانہ کے نشیب و فراز میں دکھ سکھ اور پریشانیوں کے سلسلے بے حد دراز ہوئے ۔ ایسے میں آدمی کو خود اپنے وجود کا ہوش برقرار نہیں رہتا متعلقین اور متعلقات کی پرواہ کون کرے اور پھر جہاں پر خود اپنا اور اپنے گرد و پیش کا ہی ہوش قائم نہ ہو تو رسالے اور جریدے کی فکر کو قائم رکھنے کا احساس کیونکر برقرار رہ سکتا ہے ۔ لیکن سر سے ہر طوفان گزر گیا لیکن پائے استقامت میں تزلزل نہ پیدا ہو سکا ۔

• مذکورہ بالا کم و بیش ایک ہزار شمارے کم و بیش پچاس ہزار اوراق پر مشتمل اور کم و بیش ایک لاکھ صفحات پر محیط ہیں ۔ کاش اس زمانے میں خلیفہ مامون الرشید کی طرح کوئی علم و فن کا قدردان ہوتا جو اپنے بیت الحکمت میں اپنے مطلوبہ اور پسندیدہ اوراق کو اگر سونے سے تول کر نہیں تو چاندی سے ہی تول کر ان کے مرتبین کی قدر افزائی کرتا ۔ [۱۴]

• کم و بیش ایک ہزار شذرات قلم بند کیے جن میں سے سو دو سو ٹکڑوں کی قیمت تو واقعی سونے کے ڈلوں جیسی ہے مثلاً حالات حاضرہ پر ملکی و ملی مسائل کے ضمن میں ایسے مبسوط اور جامع تبصرے علم و فن کے شہ پارے سمجھے جائیں گے ۔ شذرات سلطانی کا انتخاب دو حصوں میں شائع ہو چکا ہے لیکن بقیہ مدیران کے شذرات کے انتخاب پر مشتمل ابھی تک کوئی مجموعہ شائع نہیں ہو سکا ہے ۔ اسی طرح قابل احترام ہستیوں کی موت پر وفیات کے عنوان سے بلا اختلاف مذہب و ملت اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے سوگ نامے یا نثری مرثیے شائع کیے جن میں سے بعض تو علم و ادب کے موتیوں سے بھرپور شخصی معلومات کا بیش بہا خزانہ معلوم ہوتے ہیں ۔

• ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً دس ہزار علمی و ادبی مضامین و مقالات کو پیش کیا جو سینکڑوں کتابوں کا نچوڑ ہیں اور ان سے متعلق بے شمار حوالوں و حواشیوں پر مشتمل اور ان کے اخذ و ماخذ پر مبنی ہیں جن میں بیشتر تحقیقی معیار پر پورے اترتے ہیں بلکہ تلاش و جستجو کے تقاضوں کو حتی الامکان پورا کرتے ہیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مضامین اور مقالات کا انتخاب مختلف موضوعات اور عنوانات کے مجموعوں کی شکل میں شائع

- وقتاً فوقتاً ہزاروں ہزار علمی و ادبی، فقہی و اصلاحی موضوعات پر عوام و خواص کی طرف سے پوچھے گئے استفسارات کے جوابات عنایت کئے گئے۔ اس کے لئے ادارہ معارف میں خاص انتظام ہے۔ اگر ضرورت پڑتی ہے تو ماہرین فن سر جوڑ کر بیٹھتے اور باہم صلاح و مشورہ کرکے مجموعی کوشش سے جواب تیار کرتے ہیں جو عام طور پر تشفی بخش اور قابل اطمینان ہوتے ہیں۔
- ہزاروں کتابوں پر نقد و تبصرے پیش کئے گئے جو مطبوعات جدیدہ کے نام سے متعلق معارف کا قابل قدر کارنامہ ہے۔ یہ کتابیں اور رسائل مختلف ذمہ دار افراد کی طرف سے یا طباعتی و اشاعتی اداروں و تنظیموں کی طرف سے وقتاً فوقتاً تبصرے کے لئے دفتر معارف میں ارسال کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ کتابیں اور رسائل علم و ادب کے مختلف النوع موضوعات سے متعلق ہوتے ہیں جن کی نشر و اشاعت اور طباعت ہند و پاک کے ممتاز ناشروں کے ذریعے انجام پاتی ہیں اس لئے قابل قدر اور لائق نظر ہوتی ہیں۔ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں ان تمام کتابوں کا علیحدہ کیٹلاگ ہونا چاہئے جن کی درجہ بندی علم و ادب کے مختلف موضوعات اور عنوانات کے تحت ہونا چاہئے تاکہ شائقین علم و ادب نہ صرف یہ کہ ایک نظر میں ان کا جائزہ لے سکیں بلکہ مطلوبہ اور پسندیدہ کتابوں کی تفصیلات اور جزویات کا مطالعہ کرنے کی سہولت انھیں حاصل ہو۔ ساتھ ہی تبصروں کا ضروری مواد اور اس کا انتخاب بھی علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت مجموعوں کی شکل میں شائع ہو جانا چاہئے۔
- کافی بڑی تعداد میں نمبر نظر کے تراشے پیش کئے جو اخبار علمیہ کے باب سے متعلق اخبارات و رسائل کی اہم معلوماتی خبروں کا نچوڑ اور شائقین علم و ادب کے حق میں بے حد موثر و کارآمد نسخہ ہیں۔ ان کے منتخب مجموعے بھی شائع ہو جانے چاہئیں خصوصاً ایسی خبروں کے مجموعے جن میں سبق آموزی اور عبرت انگیزی افزائش معلومات کے ساتھ بھری ہوتی ہے۔
- سیکڑوں مراسلات اور مکتوبات کو نہایت جانفشانی کے ساتھ جہاں تہاں سے کھوج ڈھونڈ کر اور انھیں نادر و نایاب اہمیت کا حامل قرار دیکر شائع کئے گئے جو یا تو غیر مطبوعہ تھے یا کسی مخصوص ذخیرۂ علمی کی تہہ میں پوشیدہ، بیکار اور کرم خوردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ مذکورہ مراسلات اور مکتوبات کے سلسلوں کا تعلق مشاہیر علم و ادب سے ہے جن کی مدد سے علمی و ادبی، سیاسی و سماجی تاریخ کی ترتیب و تزئین کا کام بخوبی لیا جا سکتا ہے۔ مختلف درجہ بندی کے ساتھ ان قابل قدر مجموعوں کی اشاعت بھی ضروری ہے۔
- سیکڑوں کتابوں کی تلخیص اور تراجم سے متعلق کاموں کو انجام دینے کا فخر حاصل ہوا جس کی بنا پر

عام شائقین علم وادب کو ORIGINAL ضخیم کتابوں کے مطالعہ کا سردرد مول نہیں لینا پڑتا ہے اس لئے کہ اصل کتابیں اول تو عام طور پر دستیاب نہیں اور اگر ان کے ماخذوں کا پتہ بھی چلتا ہے تو ایک عام آدمی کے لئے ان تک رسائی ممکن نہیں ۔ ان کے ضروری حصوں کے مجموعے ترتیب دینے اور انھیں شائع کرنے کی بھی ضرورت ہے ۔

• سائنس اور ٹکنالوجی سے متعلق مضامین کا سلسلہ شروع سے آج تک قائم ہے ۔ شروع میں ان کی تعداد کم تھی ۔ اب حالات کے زیر اثر ان کی تعداد اور اہمیت بڑھتی جارہی ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ سائنسی انکشافات واکتشافات سے اپنے قارئین کو روشناس کرانے کی طرف رجحان اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔ ایسے مضامین کو جاری رکھنے اور معیاری انداز میں روزافزوں بڑھاوا دینے کی ضرورت ہے اور ان کے منتخب مجموعوں کو کتابی شکل میں لانے کی بھی ۔

• ادبیات کی دنیا میں نت نئے بوٹے کھلائے اور نظم ونثر کے رموز آشکار کرنے میں اپنی محنت کھپائی لگائی ۔ بالخصوص شعر وشاعری کے فن کو نئے نئے تجربات سے ہم آہنگ کیا ۔ غالب کی ہمہ دانی اور ہمہ گیری ، ذوق کی روانی اور حکمت عملی ، مومن کی جذبات نگاری اور جذبات کی رنگا رنگ نقاشی ، اقبال کی اسلامیت اور آفاقیت وغیرہ کو نئے ڈھنگ اور اپنے مخصوص طرز ادا کے ساتھ پیش کرنے کا فخر بھی حاصل کیا ۔ جن شعراء کے یہاں تجارب انسانی محاورات اور ضرب الامثال کی صورت اختیار کرجاتے ہیں اور انھیں صفائی اور لطافت کے ساتھ اشعار میں باندھ لینے اور پرو لینے کا سلیقہ آتا ہے بلکہ یہ مخصوص فن ان کی ذاتی جاگیر معلوم ہوتا ہے ان کے فن کو نمایاں کیا ۔ جن شعراء کے یہاں آپ بیتی کہنا اور اس طرح کہہ گزرنا کہ سننے والا سنے اور سر دھنے اور ان کی ملکیت یا مخصوصات تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ اور جھنجھلاہٹ محسوس نہ کرے ان کے فن کے رموز کو آشکارا کیا ۔ جن شعراء کے یہاں عالمگیریت بلکہ آفاقیت ہے ، جن میں سے بعض کے یہاں تشخص اور تجرد ہے ، بعض کے یہاں جزویت اور بعض کے یہاں جامعیت ہے ، ان سب کے اوصاف وکمالات اور فنی باریکیوں وموشگافیوں کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ۔ بعض شعراء کی ذہانت طبعی نے قلم کو کچھ ایسا سریع السیر کردیا ہے کہ اوسط فہم والے طبائع ان کے بعض اشعار کو پہیلی سمجھتے ہیں ان معموں اور ادبی گتھیوں کو حل کیا اور آسان اسلوب میں پیش کیا ۔ اس کے ساتھ ساتھ عام طور پر شعراء کی زبان پر محبوب ومعشوق کی جفا کا گلہ رہتا ہے مگر بعض ایسے ہوشیار اور جہاں دیدہ شعراء بھی ہیں جو جفا سے موثر طریقے پر باز رکھنے کے ہتھکنڈے اور

گزر جاتے ہیں ، دل گرفتگی کی مملکت پر کسی سخنور کا خطبہ اور سکہ جاری رہا مثلاً میر تقی میر جبکہ کسی کا اس قلمرو میں برائے نام گزر ہوا مثلاً مومن خاں مومن [13] ، کوئی نزاکت خیال کی انتہا پر نظر آتا ہے ، کسی کے تبحر علمی کا سکہ رہا کہ تمام ہم معصرین پر تھا یہاں تک کہ باکمال اشخاص بھی ان کی قابلیت اور جامعیت کے قائل تھے [14] بعض شعراء شاعری کے علاوہ دیگر علوم وفنون مروجہ میں بھی طاق تھے مثلاً علم موسیقی ، ریاضی ، صنعت و حرفت وغیرہ [15] وغیرہ وغیرہ ، ان تمام صاحبان کمال کے ادعات اور فنی باریکیوں کو نہایت عمدگی اور سلیقے سے اجاگر کیا ۔ خلاصہ یہ کہ شعر و شاعری کی دنیا میں ایک مخصوص طرز فکر اور اسلوب بیان کی بنا ڈالی جو تشنگان علم و ادب کے حق میں وجہ تسکین بن گئی ۔ فن کار کے فن کے ساتھ اس کی شخصیت اور انفرادیت بھی اہم ہوتی ہے ۔ عام طور پر یہ پہلو عوامی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں مگر خواص علم و فن کی رسائی کسی نہ کسی صورت میں ان تک ہو ہی جاتی ہے اور وہ بطور سبق آموزی و عبرت انگیزی کے اس سمندر سے اپنے گوہر مقصود کو نکال ہی لیتے ہیں ۔ معارف نے شعرائے کرام اور صاحبان فن کی شخصیات سے نکلنے والی ان کرنوں کو بھی اپنے صفحات پر منعکس کیا جو یقیناً اس کے طرز فکر اور اسلوب بیان کی خاص ہیں ۔

آخر میں اس جائزے سے متعلق باقی ماندہ پہلوؤں کی بابت عرض کرتی ہوں جو معارف کے کارہائے نمایاں کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں ۔

- زبان اور لسانیات سے متعلق جزئیات و فروعات کو پیش کیا ۔
- تمام معلومات و بزرگان عالم کے تجربات و مشاہدات کو پیش کیا ۔
- علم و دانش کے بیش از بیش نکات و اشارات اور رموز ہائے رنگا رنگ کی وضاحت کی
- معاشی و اقتصادی اور سماجی و معاشرتی مسائل کا تجزیہ کیا ۔
- مختلف اصناف علم و ہنر سے تعلق رکھنے والے سیکڑوں شخصیات کی خاکہ نگاری اور سوانح نگاری کا فریضہ ادا کیا خاص طور پر وفیات کے باب کو شخصیت نگاری کے موضوع کے لئے وقف کر دیا اور اس ضمن میں نہایت قابل قدر علمی و ادبی COLLECTION پیش کیا ۔

---

[13] نہ صرف یہ کہ قابل قدر کتابوں کو سونے سے تول کر سونا عطا کئے بلکہ اس قسم کے معمول فیاضی کے پیش نظر مصنفین و مرتبین اپنی کتابوں میں موٹا کاغذ استعمال کرنے لگے تاکہ وزن میں اضافے کا باعث ہو ۔

[14] تذرو بہ معنی سونے کا ٹکڑا یا ڈلا

[15] تا [16] اردو شاعری کا ایک عظیم ستون — شاکر عظیم آبادی ماخوذ از قومی تنظیم پٹنہ 29 مارچ

③ معارف کا نقطۂ نظر اور علمی استعداد

جس طرح ابر باراں کی فراوانی زمین کے صاف ستھرے حصوں پر بھی ہوتی ہے اور گندی غلیظ جگہوں پر بھی لیکن بہر حال دونوں جگہوں پر گرنے والا رقیق مادہ پانی ہی تو کہا جائے گا ۔ لیکن دونوں میں فرق ہے اور نمایاں فرق ہے ۔ یہ فرق ظرف کا ہے جس کو ہر صاحب نظر بخوبی محسوس کر لیتا ہے ۔ نتیجے کے طور پر صاف برتن میں گرنے والے اس پانی کو ہر شخص بغیر کسی جھجک کے پی لینا پسند کرتا ہے جبکہ گندے ذخیرۂ آب میں جمع ہونے والے پانی کا ایک گھونٹ بھی زبان پر لانا کوئی پسند نہیں کرتا ۔ یہی حال شعراء اور ادیبوں کی شخصیات کا ہے ۔ جن حضرات کی سوجھ بوجھ اور عقائد و اعمال پاکیزہ اور جاندار ہیں اور جن اشخاص کے سینوں میں عشق و سرمستی کی سوزش و بے کلی جاری و ساری ہے ان کے وجود سے نکلی ہوئی کرنیں اور ذہنوں سے خارج ہونے والے اثرات یقیناً سننے والوں اور پڑھنے والوں کے دل و دماغ میں براہ راست پیوست ہو جاتے ہیں اور سر دھننے اور کلیجہ پیٹنے پر آدمی کو مجبور کر دیتے ہیں جبکہ اس کے برعکس سوز دروں سے خالی اور عاری سینوں میں اور کسی فکر و نظر کے حاملین کے کلام میں الفاظ کی پھلجھڑیوں اور رنگ آمیزیوں کے باوجود وہ تاثر نہیں پیدا ہو پاتا جو اس فن کا تقاضہ ہے ۔ لیکن اس ضمن میں ایک بات اور قابل لحاظ ہے کہ اس دنیا میں نہ صرف یہ کہ پانی اور مشروبات پینے والوں کے اقسام ہیں بلکہ جن ظروف کو وہ اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں ان کے معیار اور انداز بھی رنگ رنگ اور جدا گانہ نوعیتوں کے حامل ہیں ۔ کوئی 'کنویں' نل اور کل کا عام اور بظاہر صاف لیکن بہ باطن مسموم (POLLUTED) پانی پی کر اپنی پوری زندگی گزار لیتا ہے ، کوئی FILTERED اور DISTILLED پانی کو اختیار کرتا ہے بلکہ کیمیائی ترکیبوں سے تیار کئے ہوئے اور مخصوص بوتلوں میں اہتمام کے ساتھ سپلائی کئے جانے والے پانی (AQUA MINERALS) کے علاوہ دوسرا پانی زبان پر رکھ ہی نہیں سکتا ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی گنگا اور فرات کے پانی سے اپنی پیاس بجھا لیتا ہے ، کوئی FREEZE کے پانی سے ، کوئی ڈاب اور ناریل کے قدرتی پانی کے صحت بخش

آب حیات سے مستفیض ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، کوئی نارمل شراب یہاں تک کہ پیشاب کے
پینے میں کوئی کراہیت اور مخالفت محسوس نہیں کرتا بلکہ اس کی افادیت کا قائل خود بھی ہوتا ہے اور
دوسروں کو بھی قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ ہوائی جہاز میں سفر کریں تو کبھی اتفاق سے ایسا بھی
دیکھیں گے کہ ایک شخص کی فرمائش پر HOSTESS نازک سے جام میں وہسکی انڈیل رہی ہے تو بغل
کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کی فرمائش پر خوبصورت سے گلاس میں ORANGE-JUICE۔
دونوں مشروبات کا رنگ ہلکا زردی مائل ہوتا ہے لیکن کیا دونوں کی حیثیت اور قیمت برابر ہوتی ہے؟
نہیں، ہرگز نہیں۔ دونوں کے طبعی اور کیمیائی اثرات میں واضح فرق ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح
جس طرح دونوں کی شخصیات میں نمایاں اور بیّن حد فاصل قائم ہے بلکہ زبردست نظریاتی اختلافات
برقرار ہیں۔ دونوں اپنے اپنے ذوق فکر و نظر کے مطابق اپنے اپنے دل کی پیاس بجھانے میں مصروف
نظر آتے ہیں۔ آخر دونوں کے نقطۂ نظر اور نظریات میں اتنا زیادہ فرق کیوں ہے؟ اس لئے کہ
ایک کے یہاں 'کھاؤ پیو اور موج کرو' (EAT DRINK AND BE MERRY)
اور دوسرے کے پیش نظر احتیاط عمل اور فکر آخرت یا فکر احتساب ہے۔ دونوں کو قدرت نے آزادی
فکر و نظر عطا کی ہے اور احتساب اعمال کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ مزاج اور اطوار کی تربیت
کے لحاظ سے اپنے اپنے طور پر دونوں ہی اپنے ہی نقطۂ نظر کو پسند کرتے ہیں اور دوسرے کے نقطۂ نظر کو
قطعاً قابل اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ قائل ہونے اور گوارا کرنے کو بھی تیار نہیں۔ بعینہٖ یہی حال شعراء،
ادیبوں، دانشوروں اور اہل قلم حضرات کا ہے جن کے مختلف طبقات اور مختلف رجحانات ہیں۔
ہر طبقہ اپنی مخصوص لابی اور حلقۂ اثر رکھتا ہے۔ ہر ایک کے اپنے مخصوص میلانات اور رجحانات ہیں جو اپنے
مخصوص اور منظور نظر حلقۂ اثر کے لئے تو وجہ تسکین بن سکتے ہیں مگر دوسرے دائرۂ فکر و نظر کو متفق کرنے کے معاملے
میں قطعی بے بس نظر آتے ہیں۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ معارف نے علم و ادب
کے میدان میں اپنے نقطۂ نظر کے لحاظ سے تجربات کئے ہیں جو صاف ستھرے خیال اور متحرک جذبات کی
عکاسی کرتے ہیں اور مثبت و موثر طریقۂ کار کو اپنانے کا رجحان بخشتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔
بلاشبہ معارف اپنے طرز فکر اور انداز بیان میں منفرد ہے اور اپنا مخصوص ادبی حلقۂ اثر
رکھتا ہے جو اگرچہ مختصر و محدود ہے لیکن موثر اور طاقت ور احساسات کا مالک ہے۔

معارف کو اس بات کی بھی قطعاً حاجت نہیں کہ معاصر جریدوں کے نقطۂ نظر سے اس کو ہم آہنگی اور مطابقت حاصل ہو ۔ معارف ادب برائے ادب کا قائل نہیں ، وہ تو ادب برائے زندگی کے نظریے کو مانتا اور اس کی ترویج و اشاعت کرتا ہے ۔ وہ اس علمی و ادبی ذوق و شوق کو اپنانے کی طرف متوجہ کرتا ہے جس سے اعمال و کردار اور اخلاق و عادات میں صفائی ستھرائی اور نکھار پیدا ہو۔ وہ ایسے ادب کا مخالف ہے جو شر انگیزی اور فتنہ پردازی کی تعلیم دیتا ہے اور محاسبۂ آخرت سے بے فکر کر دیتا ہے ، جو انسانی فضائل پر بہیمانہ رذائل کو ترجیح دیتا ہے اور اس کو ہر معاملے میں کھلی چھوٹ دیدیتا ہے ۔ معارف نے اپنے صفحات میں ان ہی شعراء اور ادیبوں کے کلام اور مضامین کو جگہ دیتا ہے جو اس کے فکر و نظر سے مطابقت رکھتے ہیں ۔

معارف آزادیٔ فکر و نظر کا قائل ہے لیکن اسلام اور اسلامی شریعت کی حدود میں ۔ وہ شریعت اسلامی سے ہٹ کر سبز باغ لگانا یا دکھانا اور شارع اسلام سے اور ان کی سنت مبارکہ سے باغی اور کنارہ کش ہو کر جینے اور مرنے کے لئے تیار نہیں ۔ وہ انسان کے جامہ میں اور انسانیت کی حدود میں ہی اپنی حرکت عمل اور قوت پرواز کو استعمال کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ بہرحال مذہب اسلام مذہب انسانیت ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق اور اس کی بنیادی ضروریات اور فطری رجحانات سے مکمل ہم آہنگی رکھتا ہے چنانچہ معارف کی ہر علمی و ادبی تحریر دعوت و عزیمت کی مہر ثبت ہے اور صالح و صحت مند جذبات و تاثرات کی ترجمانی کا طرۂ امتیاز ۔ وہ ہر دور میں وقت کا نقیب ثابت ہوا ہے اور عوام و خواص کو حوادث و خطرات کے مقابلے میں پیشگی اطلاع کرنے والا ۔ اس کا فطری مادہ اور بنیادی خمیر اسلام یا دین حنیف ہے اور وہ اپنی اس خصوصیت پر نازاں و فرحاں ہے ۔ بقول شخصے :

قسامِ ازل جب کرنے لگا تقسیم مذاہب عالم کو + سب دین کو میں نے چھوڑ دیا اور لے لیا اسلام نیا

دراصل اسلام ہی اس کی جان اس کی روح رواں ہے ، اس کا عمل اس کا کردار ہے ، اس کا حال اس کا مستقبل ہے ، اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا شہپر نگاراں ہے ، اس کے اعمال کا محشر اس کے ارمانوں کی جنت ہے ۔ وہ نہ کسی مادی اور عارضی مفاد پر اپنے اس فکر و نظر کو قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ اس معاملے میں اس کا ریکارڈ صاف ستھرا اور اس کی روایات قابل تقلید ہیں ۔

معارف اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے مفسر قرآن ہے، شارح حدیث ہے، فقیہ و مجتہد ہے۔ علوم اسلامی بالخصوص علوم قرآنی کا حامل اور اس کی ترویج و اشاعت میں نمایاں رول ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔[18] احادیث نبویہ کے متن اور روایت پر باریک بینی سے نگاہ رکھنے والا ہے۔[19] قرآن و سنت کو سختی سے پکڑنے اور اس پر کاربند رہنے کے معاملے میں اپنی گراں قدر خدمات کا ذخیرہ رکھتا ہے۔ علماء فضلاء اور دانشوران اسلام کا قدردان اور انکے کارناموں اور تصانیف کی نشر و اشاعت کرنے والا۔

معارف نے سلوک و تصوف اور تزکیہ و تربیت کے نازک مسائل پر بھی لب کشائی کی ہے۔[20] تصوف سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے اور صوفیاء کے خلاف بے بنیاد اعتراضات کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ تزکیہ کی اہمیت کو سمجھانے اور تربیت کے حصول کو حاصل زندگی سمجھنے کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ صوفیائے کرام کے کشف و کرامات اور خوارق عادات کے موضوع سے ہٹ کر ان کی زندگی کے دیگر روشن اور تابناک پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔[21] صوفیائے کرام کے ملفوظات اور سوانح سے متعلق قابل قدر تحریروں کو پیش کیا ہے۔ یہ تمام حوالے اس کے طرز فکر اور انداز بیان پر دلیل اور شہادت ہیں۔

معارف فطرتاً مورخ ہے بالخصوص مورخ اسلام ہونے کا اسے شرف حاصل ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس کے سامنے بکھری پڑی ہے یا یوں کہیے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کو نہایت گہرائی اور خوبصورتی سے اور اپنے پورے ذوق و شوق کی تزئین و زیبائش کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت اسے حاصل ہوئی ہے جو تاریخ کی دنیا میں خود ایک عظیم کارنامہ ہے۔ معارف فن سیر اور فن انساب کا ماہر ہے۔ تاریخ کے ہر گوشے پر اس کی نگاہ بڑی گہری ہے۔ تاریخ نگاری کے وقت صاحبان معارف اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کرتے کہ ہمارے نامور اسلاف کی ایک حیثیت اگر فاتح اور حکمراں کی تھی تو دوسری حیثیت داعی اور مبلغ کی بھی۔[22]

معارف تمدن ہائے قدیم اور تہذیب ہائے جدید کی جملہ جزوئیات و تفصیلات کا بخوبی واقف کار ہے اور اس کے فرق کو نمایاں کرنے والا ہے۔ اسلامی تمدن و ثقافت کو اولیت اور فوقیت دلانے میں بھرپور کردار ادا کرنے والا اور اس ضمن میں ذہنوں کو ہموار کرنے والا ہے۔ معارف فلسفہ و کلام اور منطق کے موضوعات سے بھی بھرپور دلچسپی رکھتا ہے لیکن مفکرین اسلام کے افکار و آراء کا قائل ہے۔ معارف روایت و درایت کے فن سے بخوبی آگاہ، نہایت عرق ریزی اور باریک بینی سے ہر معاملہ اور مسئلہ کو

پرکھ کرنے والا ہے ۔ معارف صاحبانِ علم و ادب کی نکتہ سنجیوں اور سخن فہمیوں کا دلدادہ ہے ۔ ادب لطیف کے ہر مثبت پہلو سے اکتساب کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر موثر و متوازن پہلو کو اپنانے کے معاملے میں فراخ دلانہ پیش قدمی کرتا ہے ۔

بشارتوں کا سنانے والا، اوامر کو پھیلانے والا اور منکرات و منہیات سے روکنے والا ہے ۔ اسلام اور مسلمانوں کے ہر دکھ درد کا ساتھی، ان کا شریکِ غم، ہمدم و ہمساز ہے ۔ ہر مثبت رجحان کی حمایت کرنے والا ہر موثر موقف کی وکالت کرنے والا ہے ۔ ہر منفی آمادگی پر ملامت کرنے والا، ہر بے حسی و بے عملی سے اعراض کی تلقین کرنے والا ہے ۔ حق تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت کا دل سے قائل اور اس کے محبوب و برگزیدہ بندے حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے تئیں کامل فدائیت و جانثاری کا انداز رکھنے والا ہے ۔ فکرِ آخرت اور احتسابِ محشر سے کسی بھی مصلحت کی آڑ میں نظر موڑنے کے لئے تیار نہیں ۔

معارف کا شاید ہی کوئی رسالہ ہو جس کے بیشتر اوراق قرآن، حدیث، فقہ اور سیرت النبیؐ سے پُر نہ ہوں ۔ سیرت النبیؐ اس کی جان اور سیرت الصحابہ اس کی فرائید کا عنوان ہے ۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا خواب پریشاں لئے ہر دور میں بے چین کئے رہتا ہے ۔ وہ عصرِ جدید کے ہر چیلنج کو قبول کرنے اور اس کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ معارف بلبل ہزار داستان کی مانند اسلام کے سدابہار باغوں کی سیر و تفریح سے لطف اندوز ہونے کا مزاج رکھتا ہے ۔ علم و حکمت کے موتیوں کو چگنے اور فضائل و کمالات کے زعفران زار ماحول میں اپنی زندگی بسر کرنے کو پسند کرتا ہے ۔ چہکتا ہے تو درد و بے قراری کا ایسا سماں باندھ دیتا ہے کہ آدمی اپنا کلیجہ تھام کر رہ جاتا ہے، روتا ہے تو عظمتِ رفتہ کی یاد میں آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے، مسکراتا ہے تو کتنی ہی دل ربائیاں اس کے چہرے کی شگفتگی پر تصدق ہو جاتی ہیں ۔ اس کے نس نس میں غیرتِ اسلامی

اور حمیت قومی مجروح ہوتی ہے ۔ وہ اپنوں اور بیگانوں سب ہی سے نباہ کا طریقہ جانتا ہے ۔

---

۱۸ مثلاً مقالہ 'قرآنی محاورات اور استعارات' — حافظ منیر احمد خان صاحب (ص ۲۸۵-۹۹، ص ۳۲۵-۴۹، ص ۴۰۹-۲۴)
معارف اپریل 1999ء تا جون 1999ء ۳ قسطوں میں ۔

۱۹ مثلاً مقالہ 'مولانا حیدر حسن خان ٹونکی' قسط (۳) — مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی ص ۸۵-۱۱۱
معارف اگست ۱۹۷۵ء میں مذکور مندرجہ ذیل سطور قابل غور ہیں :

"عموماً اس روایت سے عورتوں کی امارت اور سرداری کا عدم جواز ثابت کیا جاتا ہے لیکن اس وقت مولوی صاحب کو اس مسئلہ سے کوئی بحث نہیں تھی ، ان کی ادب شناس نگاہ کو اس میں حضرت عائشہ رضی کی تنقیص نظر آئی اور فرمایا دیکھو تو راوی کس طرح ام المومنین صدیقہ طاہرہ رض پر طنز کر رہا ہے ۔ کوئی اور ہوتا تو بخاری کی جلالت شان سے مرعوب ہو جاتا مگر وہ جانتے تھے کہ معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں ، ان کے علاوہ کوئی کتنا ہی بڑا شخص ہو معصوم عن الخطا نہیں ہے ، اس سے غلطی ہو سکتی ہے ۔ ان کی نظر میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کی عزت و حرمت راوی سے کہیں زیادہ تھی ۔ اسماء الرجال کی کتابیں پاس ہی رکھی ہوئی تھیں ، میزان الاعتدال اور تہذیب اٹھا کر دیں اور فرمایا راویوں کی سرگذشت پڑھو ۔ کتاب کھولتے ہیں تو عثمان بن ہیثم کے متعلق ملتا ہے ٹھیک نہیں ہے ، غلطی بہت کرتا ہے ، آخر میں اس کا یہ حال تھا کہ جو تلقین کی جاتی اسے قبول کر لیتا تھا ۔ دوسرے راوی عوف کے متعلق اس سے بھی بڑھ کر لکھا تھا ۔ قدری اور شیعی تھا شیعیت کا اظہار کرتا تھا ...... ائمہ جرح و تعدیل نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حضرت حسن بصری رح سے ایسی باتوں کی روایت کرتا تھا جو اور کوئی نہیں بیان کرتا تھا ۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں راویوں کا اعمال نامہ پڑھا جا چکا تو فرمایا کہ اس جرح بیّن کے بعد کسی کے محض ثقہ اور صدوق کہنے سے راوی کی صفائی نہیں ہو سکتی

یہ عقیدہ حضرت عائشہ رض کا مخالف ہے، اس لئے اس کی کوئی ایسی روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو۔ اس خیال کے ثبوت میں اصول حدیث کی کتابوں کی عبارتیں بھی دکھادیں...

۲۰ مثلاً مقالہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" ــــ ڈاکٹر صادق علی ص ۲۰۶ ــ ۲۱۴

معارف فروری 1919ء

۲۱ بزم صوفیہ کے دیباچہ میں سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ اس مجموعہ کو صاحب تصنیف اور اہل قلم صوفیائے کرام کی سیرت اور علمی کمالات سے ترتیب دیا گیا ہے اور اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے کہ کشف و کرامات اور خوارق عادات کے موضوع سے گریز کرتے ہوئے صوفیائے کرام کی شخصیت کے دیگر روشن پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۲ "کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہمیں اپنے قابل قدر اسلاف کا فاتح و حکمران ہونا تو بخوبی یاد ہے، ان کا داعی اسلام کا مبلغ دین ہونا یاد نہیں۔"

ماخوذ از بزم صوفیہ ــــ سید صباح الدین عبدالرحمٰن

(۴) معارف کا نقطۂ نظر ملّی مسائل کے ضمن میں

ملّی مسائل کے ضمن میں معارف کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے خود اس کی تحریری شہادت کافی ہیں۔ اس ضمن میں معارف کے اوراق سے چند اقتباسات بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ ہم نے کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ مسلمان دم میں جل جانے والے اور جلا دینے والے کوہ آتش فشاں ہیں لیکن ہمیشہ سلگنے والے اور جلنے والے آتش کدہ نہیں۔ وہ ایک لمحہ کے آنے والے اور گزر جانے والے طوفان آب ہیں لیکن ہمیشہ بہنے والے ہمالیہ کی برفستانی چوٹیوں کے چشمے نہیں ——— ہم جوش بیان، آزادیٔ قول اور نعرۂ حق کے ساتھ ایک اور چیز بھی ڈھونڈتے ہیں۔ متانت رائے، استقلال عزم اور دوام عمل! دنیا کی تاریخ قول سے نہیں عمل سے بنی ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک کمزور عمل پُر زور بیان سے بہتر اور تھوڑا کرنا بہت بولنے سے اچھا ہے۔ [۲۳]

۲۔ ہم اپنے مسلمان اکابر کی خفیف الحرکتیوں کو جو بھرے جلسوں میں اکثر ان سے سرزد ہوتی رہتی ہیں [۲۴] اپنے قومی جلسوں کے لئے لعنت کبریٰ سمجھتے ہیں۔ حافظ کو آٹھویں صدی میں شکایت تھی ؎ واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند + چوں بخلوت می روند آں کار دیگر میکنند لیکن حافظ اگر چودھویں صدی میں ہوتے تو جلوت و خلوت کا بھی فرق نہ پاتے۔ [۲۵]

۳۔ عظیم افراد و اشخاص کو خراج عقیدت پیش کرنے کا زیادہ مفید بہتر اور مناسب طریقہ یہی ہے کہ ان کی یادگاروں کو استحکام و دوام عطا کرنے کی پوری کوشش کی جائے اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اور کہا ہے اس کا ایک ایک حرف اور ہر ہر لفظ قوم کے سامنے برابر پیش کیا جاتا رہنا چاہئے۔ [۲۶]

۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے مغرب کے بعض مفکرین اور ماہرین تعلیم کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک نظام تعلیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی گزارنے میں زیادہ سے زیادہ مدد مل سکے یا نوع انسانی کے لئے اجتماعی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہو سکیں یا اس کی آخری غایت محض اس قدر ہے کہ انسان کو مادی قوانین کا صحیح ترین علم ہو سکے۔ مغربی نظام تعلیم میں بداخلاقی بالواسطہ صرف اس حیثیت سے مذموم ہے کہ بالآخر اس کے نتائج

اس کے مرتکب کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوں گے ۔ اس لحاظ سے معیوب نہیں ہے کہ وہ بجائے خود کوئی قابل مواخذہ شے ہے ۔ سید صاحب نے کرۂ ارض کے دوسرے حصوں میں ایک ایسے نظامِ تعلیم کا ذکر کیا ہے جس میں علم حصول کی غایت تمام تر خدا شناسی، تزکیہ نفس و توثیق حسن عمل ہے اور اس کا آخری مقصد نجات اخروی ہے نہ کہ بہشت قرار شاہدوں کا حصول ۔ ۲۷

۵ ۔ کیا شریعت بیضا نے یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ ایذا اور دل آزاری حرام ہے اور کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں ۔ کیا آپ نے پڑوسیوں بلکہ عام انسانوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید نہیں کی ہے ۔ کیا یہ سب ہدایات صرف وعظ و ارشاد کے جلسوں ہی میں بیان کرنے کے لئے ہیں یا عمل کرنے کے لئے بھی ہیں ۔ اگر عمل کرنے کے لئے ہیں تو مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں کے افراد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے کیوں ہیں . . . . . ان کو خود اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہئے کہ ان اختلافات سے کس کا زیاں ہو رہا ہے اور کس کی ہوا خیزی ہو رہی ہے، کس کی امت کا شیرازہ درہم برہم ہو رہا ہے ۔ کیا وہ اب بے جا شرعی جنون اور جوش کا مظاہرہ کرکے خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں ۔ کیا یہی وقت ان کے لڑنے بھڑنے کا ہے جب اقوامِ عالم ان پر پل پڑی ہیں، ہندو احیائیت پسندی ان کا محاصرہ کر رہی ہے، صیہونیت کا سیلاب ان کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جانا چاہتا ہے اور سرمایہ داری کا نہ ڈوبنے والا سفینہ ان کو غرق کر دینے پر تلا ہوا ہے جس کی تباہ کاریاں اور چیرہ دستیاں عالم اسلام کو تہہ و بالا کئے ہوئے ہیں، جس کے فتنے یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو ہیں، جس نے مرکز اسلام کو بھی بے دست و پا کر دیا ہے ۔ ۲۸

۶ ۔ اس وقت تمام ابلیسی قوتیں اور اسلام دشمن طاقتیں اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو باہم متحارب اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رکھنا چاہتی ہیں تاکہ مسلمانوں کے استیصال اور بیخ کنی کا جو منصوبہ ان کے پیش نظر ہے اس کے لئے انھیں زیادہ پاپڑ نہ

پیلنا پڑے بلکہ مسلمان خود ہی آپس میں لڑ بھڑ کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیں اور وہ اس کا تماشہ دیکھیں۔ رائی کو پربت بنانے، اسلامی ملکوں کی معمولی کمزوریوں کو طوفان بلاخیز میں تبدیل کر دینے اور اپنے اثر و نفوذ سے ان میں ہلچل اور ہیجان پیدا کر دینے میں انہیں خاص مہارت حاصل ہے۔ دنیا کی کسی قوم و جماعت میں خواہ کیسا ہی شدید اختلاف کیوں نہ ہو لیکن جب ان پر سخت اور نازک وقت آتا ہے تو وہ باہمی اختلافات کو بھول جاتی ہیں۔ اس کے تمام افراد مل جل کر دوسری قوموں اور جماعتوں کی طرف سے ہونے والے حملوں اور خطروں کا سد باب کرنے میں لگ جاتے ہیں اور دوسروں کے ظلم و تعدی کو روکنے کے لئے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ اغیار کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو ناکام بنانے کے لئے برابر فکر مند رہتے ہیں۔ لیکن جس قوم کا زوال وادبار حد انتہا کو پہونچ جاتا ہے وہ نازک موقع پر بھی ہوش مندی اور تدبیر سے کام نہیں لیتی اور سخت وقتوں میں بھی اپنے ہی جھگڑوں اور بکھیڑوں میں الجھی رہتی ہے۔ مسلمان بھی اسی صف میں شامل ہیں۔ وہ مسلسل مصیبتوں اور خطروں میں گھرے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے ان پر یلغار ہو رہی ہے مگر اس کے باوجود وہ متحد و متفق ہونا جانتے ہی نہیں، نہ باہمی اختلافات کو بھول رہے ہیں، نہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ ۳۰

۸ - آج جب کہ سیکولرزم اور فاشزم کی لڑائی عروج پر پہونچ گئی ہے اور ملک میں جمہوریت، قومی ایکتا اور امن و اتحاد کو بی جے پی کی فرقہ پرستانہ ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، اس کے مذہبی جنون اور ہندوتو کی لہروں نے نفرت، تفریق اور انتشار کو پروان چڑھا کر ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ ایسے نازک موڑ پر بھی اگر بی جے پی کو روکنے والی پارٹیاں متحد نہ ہو سکیں اور انہوں نے ہوس اقتدار کی دیوی کے پیر حب الوطنی اور سیکولرزم کو بھینٹ چڑھا دیا تو بی جے پی کے برسر اقتدار آنے کی ذمہ داری سے یہ اپنے آپ کو بری کیسے قرار دے سکتی ہیں۔ ۳۱

۹ - اس وقت ابلیس کی کارفرمائی اس بات پر مرکوز ہے کہ کسی طرح انسان کے وجود اور اس کی شخصیت کے اندر سے تمام بلند اور روحانی اقدار کو ختم کر دیا جائے اور ان کی جگہ پست اور بازاری قدروں کو لاکر اس کی خرید و فروخت کو آسان بنا دیا جائے۔

ابلیس کی دوسری سازش یہ ہے کہ انسانیت کو کسی بھی ایسے "کلمۂ سوا" اور نقطۂ اشتراک پر نہ آنے دیا جائے جو ایک عالمی معاشرے اور عالمی نظام (WORLD ORDER) کا پیش خیمہ بن سکے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ آج ایک عالمی معاشرے اور عالمی نظام کا قیام قطعاً ناگزیر ہے۔ انسانیت کی آئندہ بقا کے لئے یہ عالمی معاشرہ اور اس کا نظام اس لئے ناگزیر ہے کہ موجودہ اقوام کو یا تو اب شریف، ہمدرد، مخلص، رحم دل، دیانتدار ہمسایوں کی طرح اس کرۂ ارض پر رہنا ہوگا یا پھر وہ خودکشی کرنا ہوگی جس کی طرف انسان کا عمودی تیزی سے دھکیلا جا رہا ہے۔[۳۲]

۱۰۔ اسلام نے دین و دنیا کی جامعیت کا ایک کامیاب تصور پیش کر کے ادیان و مذاہب کی تاریخ میں ایک تاریخ ساز رول ادا کیا تو دوسری طرف اہل اسلام نے اپنے سنہرے دور میں ان پہلوؤں کو عملی دنیا میں برت کر ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا اور اس کے نتیجے میں فطرت و شریعت میں کامل مطابقت کا ظہور ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں کے زریں دور میں دین اور علم یا دین اور جدید اکتشافات کے درمیان کشمکش کے وہ مناظر کبھی رونما نہیں ہوئے جیسا کہ اہل کلیسا (CHURCH) اور اہل علم کے درمیان افسوسناک مناظر ظاہر ہوئے اور اس کے نتیجے میں الحاد و لادینیت نے جنم لیا۔ مگر موجودہ دور میں علمائے اسلام کی اس باب میں کوتاہی کے باعث پھر وہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے جو عیسائیت اور جدید اکتشافات کے درمیان کشمکش کا باعث بنی تھی۔ موجودہ مسلم نوجوانوں کے علوم مغرب پر 'ایمان' اور اسلام پر 'بے یقینی' کی ایک بہت بڑی وجہ علمائے اسلام کا منفی رویہ بھی ہے جو جدید علوم سے لاتعلقی اور ان پر بے اعتباری کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اگر علمائے اسلام دین ابدی کی تاثیر اور اس کی کاملیت پر یقین کرتے ہوئے روشن فکری اور وسیع النظری کا مظاہرہ کرتے اور اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فطرت و شریعت میں تطبیق دے کر ان دونوں کے حدود و ضوابط واضح کرتے تو اس سے جہاں ایک طرف مسلم حکومتوں کو سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھنے میں مدد ملتی تو دوسری طرف مسلم نوجوانوں کی ذہن سازی بھی بخوبی

ہوتی اور وہ دین سے برگشتہ ہو کر افکار مغرب کی وادیوں میں بھٹکتے نہ پھرتے۔[۳۳]

۲۳۔ شذرات معارف جنوری ۱۹۱۸ء ص ۳

۲۴۔ مثلاً کسی کتاب کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دینا یا کسی کو غیر ضروری انداز میں سر پر بٹھا لینا یا کسی کے تئیں بے معنی مرعوبیت کا اظہار کرنا یا کسی کی تضحیک کرنا وغیرہ

۲۵۔ شذرات معارف جنوری ۱۹۱۸ء ص ۶

۲۶۔ " " فروری ۱۹۹۷ء ص ۸۳

۲۷۔ " " مارچ ۱۹۹۷ء ص ۱۶۲

۲۸۔ " " جولائی ۱۹۹۷ء ص ۲

۲۹۔ " " اگست ۱۹۹۷ء ص ۸۲

۳۰۔ " " اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۲۴۲

۳۱۔ " " فروری ۱۹۹۸ء ص ۸۴

۳۲۔ " " مارچ ۱۹۹۸ء ص ۲۲۲

۳۳۔ " " اپریل ۱۹۹۸ء ص ۲۸۱

۵ معارف کی زبان دانی

معارف کی فصاحت و بلاغت اور سادگی و پرکاری کو سمجھنے کے لیے ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اس کی زبان اور اسلوب و طرزِ بیان کو سمجھنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ اس کی با محاورہ زبان اور چاق و چوبند فقروں میں، اس کی تشبیہات و اشارات اور استعارات و کنایات میں معنی آفرینی کا خزانہ پنہاں ہوتا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور موقع و محل کی مناسبت سے ہی اس کا صحیح لطف محسوس ہوتا ہے۔ اس کی سادگی و سادہ بیانی اور صاف گوئی کا اپنا الگ مزہ ہے، اس کی شیریں بیانی، جذبات نگاری، شعلہ نوائی، درد آشنائی، غم گساری اور منت گزاری مخصوص طرزِ ادا کی مالک ہے۔ عموماً اس جریدے کے انشاء پرداز اور مقالہ نگار جاندار اور طاقت ور قلم کے مالک ہوتے ہیں اور ادب و انشاء کا جادو جگانے میں فنکارانہ مہارت رکھتے ہیں۔ فنی پیچیدگیوں، لسانی نزاکتوں اور نفسیاتی باریکیوں پر نظر رکھتے ہیں

۱۔ اس کی روداد سننے میں اسی قدر لطف آتا ہے جس قدر ایک بوڑھی عورت کو آدھے پان کی ایک کٹی ہوئی گلوری میں۔[۳۴]

۲۔ کتاب اور عورت دو سوکنیں ہیں۔ جو دماغ عورت کی زلفِ دراز سے الجھ جاتا ہے وہ کتاب کی سطریں نہیں گنتا، کیونکہ گیسوئے پُر خم میں جو سیاہی ہے وہ اس میں کہاں؟ لیکن جو سیاہ بخت کتاب کی سطروں میں الجھ جاتے ہیں ان کے ہاتھ سے زلف کا سر رشتہ امید چھوٹ جاتا ہے اور وہ حرف نقطے گنا کرتے ہیں، خط و خال پر ان کی نگاہ بہت کم پڑتی ہے۔[۳۵]

۳۔ ان کی غزلیں یورپ کے اہلِ حال صوفیوں میں نہایت مقبول ہیں اور سچ یہ ہے کہ جوشِ بیان اور شیرینیٔ گفتار میں حافظ کی غزلوں سے ان کی غزلیں پہلو مارتی ہیں۔ تاہم قند پارسی اور شکر ہندی میں جو فرق ہے اس کی نفی کون کر سکتا ہے لیکن یہ فرق اس قدر خفیف ہے کہ ہر قوت ذائقہ اس کو بآسانی محسوس بھی نہیں کر سکتی۔ غزلوں میں عام انسانی عشق و محبت کی داستانیں نہیں ہیں بلکہ مصرع مصرع سے حقیقت دانی، معرفت نامہ اور عشقِ حقیقی کی تڑپ ظاہر ہوتی ہے۔[۳۶]

۴۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ اس قسم کی ادبیات سے ہم کو علمی و دماغی فائدہ نہیں پہنچتا کہ اس باغِ ہستی کی ہر چیز کھانے کے لیے نہیں ہے بلکہ کچھ دیکھنے اور سونگھنے کے لیے بھی ہے۔[۳۷]

۵ - ہم نے عرب سے نکل کر جب مصر و شام میں قدم رکھا سریانیوں، قبطیوں، رومیوں اور یونانیوں کے پاس علم و حکمت کی دولت نظر آئی، ہم بڑھے اور بڑھ کر اپنی دولت ان سے چھین لی۔ ۳۸ عراق و فارس کی طرف گزر ہوا تو کسریٰ کے خزانوں میں بھی کچھ گم شدہ جواہر ریزے نظر آئے۔ ان کو بھی اٹھا کر اپنی جیب و آستین میں رکھ لیا۔ ہندوستان کی طرف قدم بڑھا تو پنڈتوں کی پوتھیاں نظر آ گئیں۔ ان بوڑھے برہمنوں نے ہر چند چاہا کہ ان ملیچھ لٹیروں کو ایسی گراں بہا دولت نہ دی جائے لیکن ہم نے کبھی سمجھا بجھا کر، کبھی بہلا پھسلا کر کچھ پتر (पत्र) کچھ پنے (पन्ने) لے ہی لیے۔ ۳۹

۶ - علوم و فنون کی تاریخ اگرچہ اس ترقی پر ناز کر سکتی ہے لیکن درحقیقت روایتوں کا یہ ذخیرہ صرف دریا تھا موتی نہ تھا، معلومات کا صرف پہاڑ تھا لعل نہ تھا، تاریخ کا یہ جنجھ صرف کان تھا سونا نہ تھا، اس کے مغز معنی تک پہونچنے کے لئے اس سے زیادہ چھان بین، اس سے زیادہ ادھیڑ بن، اس سے زیادہ کد و کاوش کی ضرورت تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے مقدم کام یہ تھا کہ تاریخی واقعات میں ایک ایسا نظام، ایک ایسا رابطہ، ایک ایسا تسلسل پیدا کیا جائے جس سے صاف طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانہ سے خود بخود کیونکر پیدا ہو گیا ہے۔ ۴۰

۷ - مادیت دنیا کو مختلف مناظر دکھا دکھا کر اپنا فریفتہ بناتی رہتی ہے۔ صبح ہونے کے ساتھ آسمان اپنے ہاتھ میں ایک جام زرنگار لیکر نمایاں ہوتا ہے اور تمام دنیا کو مخمور کر دیتا ہے۔ شام ہوتی ہے تو شفق کی ارغوانی شراب اس جام کو لبریز کر دیتی ہے اور دنیا نشہ میں چور ہو کر سرمست بادۂ خواب ہو جاتی ہے۔ بہار آتی ہے تو زمین کی قوت نمو کبھی سبزہ زار کی صورت میں زمین پر چھا جاتی ہے، کبھی سرو صنوبر کی شکل میں کنگرۂ فلک سے ٹکر لینا چاہتی ہے اور کبھی پھولوں کے قالب میں تمام فضا کو محیط ہو جاتی ہے۔ غرض دن نہیں نکلتا بلکہ مادیت نئے آن بان سے نکلتی ہے، شام نہیں آتی بلکہ مادیت عروس نو بن کر ہمارے سامنے آتی ہے، موسم نہیں بدلتے بلکہ مادیت اپنے نئے نئے لباس بدل کر ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے لیکن کیا ان میں ایک چیز بھی اپنی قوت جذب و کشش کو ہمیشہ قائم رکھ سکتی ہے؟ کیا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہتا ہے؟ کیا شفق ہمیشہ چھائی رہتی ہے؟ کیا سبزہ ہمیشہ لہلہاتا رہتا ہے؟

کیا سرو صنوبر کی گردن ہمیشہ بلند رہتی ہے؟ کیا پھول ہمیشہ شاداب رہتے ہیں؟ یقیناً نہیں اور اگر یہ ظاہر فریب نظارہ ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہتا تو ہم کو مادیت کے دائرہ سے آگے بڑھ کر اس عالم قدس میں قدم رکھنا چاہئے جو ابدی اور لافانی ہے۔ یہی وہ عالم ہے حسن کا سورج کبھی نہیں ڈوبتا اور یہی وہ باغ ہے حسن کی بہار پر کبھی خزاں نہیں آتی اور یہی وہ دنیا ہے جو کبھی قالب بے روح نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عالم میں زندگی بسر فرمائی تھی۔ اس لئے آپ کا روحانی اثر ہمیشہ قائم رہا اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ صحابہ کرام کی زندگی اسی آفتاب عالمتاب کا پرتو تھی اور محدثین کرام کو اسی مسیحا نفس کے کلمات طیبات نے زندگی بخشی تھی۔ ص ۴۱

۸۔ لوگ کہتے ہیں کہ رات کو بیماری کی شدت بڑھ جاتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بیماری کی شدت نہیں بلکہ بیمار کے احساس کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ دن کے شوروغل اور حواس کی معروفیت میں احساس کا کم موقع ملتا ہے لیکن رات کی خاموشی اور غیر معروف گھنٹوں میں ہمارے احساسات ایک ایک رونگٹے کو ٹٹولتے ہیں اور اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ ص ۴۲

۹۔ جگر کی شاعری میں نہ زلف و شانہ، نہ سرمہ و آئینہ، نہ ہوس بالائے بام، نہ شکایت منظر عام۔ نہ اس کے کاشانۂ خیال میں چشم ہائے بسمل کی آئینہ بندی ہے، نہ اس کے محبوب کے ہاتھوں میں قصاب کی چھری اور جلاد کی تلوار ہے، نہ اس کے کوچہ میں شہدا کے دل و جگر کی گلکاری ہے وہ مست ہے اور اس مستی میں کسی نے دیدہ کا سراپا مشتاق نظر ہے۔ ص ۴۳

۱۰۔ ان کے قلم سے آب حیات کے جو قطرے ٹپکتے ہیں وہ خود زندہ دلی کے ثبوت ہیں۔ حسن زمانہ کا یہ واقعہ ہے تصوف ابر کی طرح تمام ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔ فارسی شاعری زندہ شاعری تھی اور اس کے خیالات ہر شخص کو اک رگ و پے میں سرایت کرتے تھے۔ لکھنو میں شاعری رنگینی طبع اور ہوس زرو بام کا نتیجہ تھی اس نے زبان خیالات اور طرز ادا کا رقیب فروری تھا۔ ص ۴۴

۳۴ شذرات معارف جنوری ۱۹۱۸ ص۴

۳۵ " " مارچ ۱۹۱۷ ص۳

۳۶ " مئی ۱۹۱۷ ص۵۵

۳۷ " " " ص۵۶

۳۸ داعی اسلام نے کہا الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا فھو احق بھا

(حکمت کی بات ایک مومن کی گمشدہ دولت ہے، جہاں پائے وہ اس کا مستحق ہے)

۳۹ معارف فروری ۱۹۱۷ ص۴

۴۰ " مارچ " "

۴۱ " " " ص۲ در مقالہ محدثین کرام کے فضائل اخلاق ازمولانا عبد

۴۲ " جولائی " ص۲

۴۳ علامہ سید سلیمان ندوی کے اسلوب بیان پر ایک نظر — ڈاکٹر شیخ فرید

ماخوذ از کتاب علامہ سید سلیمان ندوی ص۵۹

۴۴ ایضاً